مرجھا کے یوں
کھلنا تھا
مہتاب ظہور
Urdu Novels Ghar

مرجھا کے یوں کھلنا تھا

از

مہتاب ظہور

Urdu Novels Ghar

ڈسکرپشن: آسائشوں کے بعد آزمائشوں کی کہانی، دکھوں کی کہانی، سکھ چین کی کہانی، محبت کی کہانی، مرجھا کر کھلنے کی کہانی۔

کیٹیگری: لوسٹوری، ڈاکٹر ہیرو بیس، سوشل ایشوز بیس

Urdu Novels Ghar

جون کا وسط تھا اور سورج سوا نیزے پر پہنچ چکا تھا۔ تپتی دھوپ میں چلتے ہوئے اسے گرمی کی شدت سے ایسا لگ رہا کہ اگر اتنی دھوپ میں دس منٹ کے لیے انڈہ پانی میں رکھ دیا جاتا تو ابل جاتا تھا اور اگر مکئی کا دانہ زمین پر رکھ دیا جاتا تو وہ بُھن جاتا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ اس کی رگوں میں دوڑتا خون بھی اب دھوپ کی شدت سے ابلنے کے قریب تھا۔ اس نے چلتے چلتے سر پر لی ہوئی سفید چادر کو ٹھیک کیا تھا جو سر سے سرکنے کے قریب تھی اور ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے ماتھے سے بہنے والی پسینے کی بوندوں کو پونچھا تھا۔

آج کا دن ہی برا ہے۔" وہ خود کو کوستے ہوئے بولی تھی۔"

آج یونیورسٹی میں اسے ایک اہم اسائنمنٹ جمع کروانی تھی۔ اور ڈرائیور چھٹی لے کر اپنے گھر گیا ہوا تھا۔ اس لیے بادل نخواستہ اسے یونیورسٹی جانا ہی پڑا تھا۔ لیکن صبح آفس جاتے ہوئے اس کے بابا نے اسے یونیورسٹی چھوڑ دیا مگر اب وہ شاید کسی میٹنگ میں مصروف ہو چکے تھے جو نہ تو اسے لینے آئے تھے، نہ ہی کسی اور کو اسے لینا بھیجا تھا اور نہ ہی اس کی کال پک کر رہے تھے۔ اور اب اسے اپنے گاڑی نہ لانے والے فیصلے پر شدید پچھتاوا ہو رہا تھا۔

اور بد قسمتی سے پیک آوور ہونے کی وجہ سے اسے کوئی کیب بھی نہیں مل رہی تھی۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے اس امید پر چل رہی تھی کہ اسے رستے میں کوئی رکشہ مل جائے گا مگر اب اسے اپنی وہ امید بھی ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کی امید کے چراغ بجھتے اسے چند فرلانگ دور کھڑی ایک ٹیکسی نظر آئی تھی۔ اسکے خیال سے تو دورِ حاضر میں ٹیکسی ناپید ہو چکی تھی مگر وہ شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے ٹیکسی کے قریب پہنچی تھی اور چند قدم دور کھڑے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا۔

چلو ڈرائیور جلدی کرو پہلے گرمی نے مت مار دی ہے۔" وہ کندھے پر لٹکتے بیگ کو اتار کر ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی تھی۔"

رف سے حلیے میں گاڑی کے پاس کھڑے شخص نے حیرت سے اس طرزِ تخاطب پر مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ اس وقت دو دن سے پہنے ہوئے سوٹ میں کھڑا تھا، جو کہ ضرورت سے زیادہ سلوٹ زدہ تھا اور شیو بھی ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی تھی لیکن اسے پھر بھی یقین تھا کہ کم از کم وہ

اس قدر گیا گزرا تو ہرگز نہیں لگ رہا تھا کہ کوئی لڑکی اسے ٹیکسی ڈرائیور ہی بنا ڈالے۔ اس نے سر تا پیر بغور سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا تھا۔ کچنار کے پھولوں جیسے رنگ کے کرتے شلوار میں سر پر نفاست سے سفید چادر لیے وہ انتہائی عجلت میں لگ رہی تھی۔

دیکھیں۔۔"وہ اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے بولنے ہی لگا تھا کہ وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے اس کی طرف غور کیے بغیر بولی تھی۔

بھئی کرایہ تم ڈبل لے لینا۔ اس لیے برائے مہربانی کرائے کے جھنجھٹ میں مت پڑو اور مجھے گھر چھوڑ دو۔ ورنہ اس گرمی میں" میرے سیخ کباب بن جائیں گے۔"وہ ایک بار پھر سے ٹشو پیپر سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولی تھی۔

اس کی بات سن کر سامنے کھڑے شخص کے ماتھے پر لاتعداد بل پڑے تھے۔ اور ماتھے پر بل ڈالے وہ بولنے ہی لگا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کی گاڑی کا بونٹ نیچے کر کے ڈرائیور بولا تھا۔

صاحب میں نے ریڈی ایٹر میں پانی ڈال دیا ہے۔ آپ ذرا دیکھ لیں۔"ڈرائیور اس سے مخاطب ہو کر بولا تھا اور پھر ٹیکسی کے پاس " کھڑی لڑکی پر نظر ڈالی تھی جو دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ اور اب تعجب سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ جو اسے کھری کھری سنانے ہی والا تھا اس پر چبھتی نظر ڈال کر اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی سٹارٹ ہو گئی تھی اس نے سر کے اشارے سے ٹیکسی ڈرائیور کو شکریہ ادا کیا اور زن سے گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا تھا۔

وہ ہونق سی بنی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اب اسے شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔

جی بی بی کہاں جانا ہے آپ کو؟"ڈرائیور کے پوچھنے پر اس نے گھر کا ایڈریس بتا دیا تھا اور گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔"

یہ جس کی آپ نے مدد کی یہ کون تھا؟"اس نے تھوک نگلتے ہوئے بظاہر سادہ لہجے میں پوچھا تھا۔"

وہ جی انہیں آپ میرے صاحب ہی سمجھ لیں۔ پہلے میں ان ہی کے گھر ڈرائیور رہا ہوں۔ وہ تو اب اپنی ٹیکسی خریدی ہے تو نوکری" چھوڑ دی۔ اور اتفاقاً میری ٹیکسی کے پاس ہی ان کی گاڑی بند ہو گئی۔ اور ان کی گاڑی میں پانی بھی نہیں تھا تو میں نے اپنی گاڑی میں رکھا پانی نکال کر گاڑی کے ریڈی ایٹر میں ڈال دیا اور دیکھیں گاڑی سٹارٹ بھی ہو گئی۔"ڈرائیور اسے فخریہ انداز میں بتاتے ہوئے بولا تھا۔

تو تمہارے ایکس صاحب کیا اتنی گرمی میں گاڑی سے باہر کھڑے دھوپ سینک رہے تھے؟"وہ جھنجھلاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "

جبکہ اپنی غلطی ماننے کو وہ ہرگز تیار نہیں تھی۔ اس کا دل بضد تھا کہ اگر اس نے اس شخص کو ڈرائیور بولا تھا تو سراسر اسی کا قصور تھا۔ وہ بھلا ٹیکسی کے پاس کھڑا ہی کیوں تھا۔

اوجی میں نے تو انہیں بولا تھا کہ گاڑی میں بیٹھے رہیں لیکن انہوں نے خود بولا کہ وہ تھوڑی دیر باہر کھڑے ہونا چاہتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں سیدھی ہو جائیں گی۔ مجھے لگتا ہے کسی لمبے سفر سے آرہے تھے۔"ڈرائیور اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے بولا تھا۔

اس کی بات سن کر اس نے بے پرواہی سے ہونہہ کہا تھا۔ اور منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

" ٹانگوں کے سیدھے ہونے کا تو پتا نہیں لیکن اپنے لیے ڈرائیور کا لفظ سن کر اس کا دماغ ضرور الٹا ہو گیا ہو گا۔ "

تھوڑی دیر بعد جب وہ گھر پہنچی تو سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں آرام فرما رہے تھے۔ اور گھر میں بھلا فرد ہی کتنے تھے دادی، دادا، امی، بابا اور وہ۔

شام کو جب بابا گھر آئے تو اس بات پر بڑے پشیمان تھے کہ وہ یونیورسٹی سے اسے پک نہیں کر سکے تھے۔ مگر اس نے اپنی باتوں سے ان کی پشیمانی دور کر دی تھی۔ تھوڑی دیر وہ سب کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی اور پھر جب دادا دادی اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگے تو وہ ایک دم بولی تھی

ہم لوگ گاؤں کب جائیں گے ؟"وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔"

گاؤں کے نام پر سب کے چہروں پر مرجھایا سا تاثر ابھرا تھا مگر پھر اس کے بابا چہرے کو ہشاش بشاش بناتے ہوئے بولے تھے۔

"تم یونیورسٹی سے فارغ ہو جاؤ پھر چلیں گے۔"

ان کی بات سن کر اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ وہ مزید کچھ بولتی کہ اسے امی کی آواز سنائی دی تھی۔

زونائیشہ دادی کو ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔"دادی کو جوڑوں کا درد رہتا تھا اس لیے انہیں اکثر اٹھنے اور چلنے میں دقعت ہوتی" تھی۔ وہ انہیں کمرے تک چھوڑنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ دادی کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر خود ٹیرس پر چلی گئی تھی۔ اس وقت دن جیسی حبس نہیں تھی بلکہ ہلکی ہلکی ہوا روح کو پرسکون کر رہی تھی۔ اس نے آنکھوں موندھ کر اس ہوا کو محسوس کرنا چاہا تھا۔

گاؤں والی ہوا اس سے کہیں زیادہ پرسکون کرتی ہے۔"وہ گاؤں کے سبزے اور وہاں کی ہواؤں کو یاد کرتے خود سے بولی تھی۔ "اس

نے ابھی تک آنکھیں بند کر رکھیں تھی کہ اس کے کانوں میں باتوں اور قہقہوں کی آواز گونجی تھی۔اس نے بند آنکھیں کھول کر ان آوازوں کے تعاقب میں نیچے کی جانب جھانکا تھا۔پانچ چھ لڑکے لڑکیوں کا گروپ بے فکری سے قہقہے لگاتا ہوا گزر رہا تھا۔ان کے پیچھے پیچھے ایک ادھیڑ عمر مرد اور دو عورتیں بھی چل رہی تھیں۔وہ کسی خوش باش فیملی کا حصہ لگ رہے تھے جو شام کے وقت تازی ہوا کھانے نکلنے تھے۔زونائیشہ ابراہیم نے حسرت سے انہیں دیکھا تھا۔بچپن سے اسے کتنی چاہ تھی کہ اس کی بھی ایک بڑی سی فیملی ہو۔اس کے کزنز ہوں جن کے ساتھ وہ ایسے ہی گھومے پھرے۔اور ایسے ہی کسی شام کو بے فکری سے قہقہے لگاتے ہوئے ایسی ہی کسی سڑک پر سے گزرے۔لیکن زندگی میں ہر وہ چیز نصیب میں کہاں ہوتی ہے جس کی چاہ ہوتی ہے۔اس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ ان لوگوں کو اپنی نظروں سے دور ہوتے دیکھا تھا۔

اخیار جب گھر پہنچا تو دادی کے سوا کوئی گھر پر نہیں تھا اور دادی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔چند ماہ پہلے وہ امریکہ سے اپنی اسپیشلائزیشن مکمل کر کے لوٹا تھا اور آتے ہی اسے ہاسپٹل میں جاب مل گئی تھی۔ساتھ ہی اس نے اپنے ہاسپٹل کی تعمیر شروع کروا رکھی تھی۔ہاسپٹل سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر وہ دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے نکل گیا تھا۔اور آج ایک ہفتے بعد دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کر کے لوٹا تھا۔بائی روڈ وہ گئے تو بڑے شوق سے تھے مگر اخیار نے آئندہ بائی روڈ جانے سے توبہ کر لی تھی۔اور گھر آنے سے کچھ دیر پہلے جو واقعہ ہوا تھا اس نے واقعی اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔ایک کامیاب ڈاکٹر جو عنقریب اپنے ہسپتال کا افتتاح کرنے والا تھا اور اپنے شوسل سرکل میں جس کے حسن وامارت کے چرچے تھے ایک لڑکی اسے ٹیکسی ڈرائیور بنا گئی تھی۔اسے رہ رہ کر یہی بات چبھ رہی تھی مگر پھر وہ یہی سوچ کر اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں اگر اس نے ڈرائیور کہہ ہی دیا تو کونسا سچ مچ وہ ڈرائیور بن جائے گا۔وہ ابھی فریش ہو کر بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ اسے ہاسپٹل سے کال آگئی تھی۔اس نے کل سے ڈیوٹی جوائن کرنی تھی مگر چونکہ اب وہ پہنچ چکا تو ہاسپٹل کے بورڈ ممبر کی میٹنگ اٹینڈ کرنا لازمی تھی۔گھر واپس آنے کے بعد سب سے ملنے پر اور گھر کے ہلّے گلے میں اس کے دماغ سے یہ بات محو ہو گئی تھی مگر وہ بھولا بالکل نہیں تھا۔رات کے بارہ بج رہے تھے۔اس کے کولیگ نے ایک پیشنٹ کی فائل سینڈ کی تھی۔فائل کو پڑھنا ضروری تھا اس لیے وہ بے حد تھکے

ہونے کے باوجود لیپ ٹاپ پر مریض کی فائل اسٹڈی کر رہا تھا کہ دروازہ نوک ہوا تھا۔ اس کے اجازت دیتے ہی دو چہرے کمرے میں نمودار ہوئے تھے۔ اخیار نے ان چہروں کو دیکھتے ہی لمبا سانس بھرا تھا۔

بھائی میں نے آپ جتنا پیارا، نیک اور خیال رکھنے والا بھائی آج تک نہیں دیکھا۔ "منت نے انتہائی عاجزانہ لہجے میں تعریف کی تھی۔"

میں تمہارے لیے جو گفٹ لایا تھا وہ میں آلریڈی تمہیں دے چکا ہوں۔ "اخیار نے اسی کے انداز میں انتہائی عاجزی سے جواب دیا" تھا۔

بے شک میرا سگا بھائی نہیں ہے لیکن آپ نے مجھے کبھی بھی سگے بھائی کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ بھلا کون ہو گا جو آدھی رات کو" بہنوں کی ایک فرمائش پوری کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ "اب کی بار انتہائی عاجزی کے ساتھ باران کی طرف سے سوال آیا تھا۔

اخیار نے دونوں کو باری باری دیکھا تھا۔

میرے خیال سے تو ایسا احمق کوئی بھی نہیں ہو گا۔ "وہ لیپ ٹاپ پر نظریں جماتے ہوئے بولا تھا۔ "

مجھے لگتا تھا کہ بھائی بہنوں کے لیے جان دے سکتے ہیں۔ ان کو چھوٹی چھوٹی خوشیاں دینے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اب " مجھے سمجھ آ رہا ہے کہ لڑکیاں چاند تارے توڑ کر لانے والے لڑکوں کے وعدے پر یقین کیوں کر لیتی ہیں۔ جب ان کے بھائی انہیں رات کے بارہ بجے ایک آئسکریم کھلانے نہیں لے جا سکتے تو وہ بیچاریاں ان لڑکوں کی باتوں میں تو آئیں گی ناں جو انہیں فلک تک لے جانے کے دعوے کرتے ہیں۔ "منت نے انتہائی جذباتی ہوتے ہوئے کہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کا بھائی اس وار سے نہیں بچ سکے گا۔

یہ جو چاند تارے توڑ کر لانے کے وعدے کرتے ہیں ناں وہی بعد میں رات کے بارے بجے کیا دن کے بارہ بجے بھی ایک آئسکریم " تک لا کر نہیں دیتے، کھلانے لے کر جانا تو دور کی بات ہے۔ ویسے جب تم دونوں سے کوئی چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ کرے تو مجھے ضرور بتانا۔ میں اس بیچارے کی چوائس اور قسمت دونوں پر اظہار افسوس ضرور کروں گا۔ اور اب تم دونوں اپنے روم میں جاؤ اور آرام سے سو جاؤ شاباش۔ "اس کا جواب سن کر منت نے پہلو بدلا تھا۔ نہ جانے کون سے بھائی تھے جو بلیک میل ہو جاتے تھے۔

اگر میرا بھائی ہوتا تو میرے ایک کہنے پر رات بارہ بجے کیا رات کے دو بجے بھی مجھے آئسکریم کھلانے لے جاتا۔ لیکن کوئی بات نہیں " اخیار بھائی۔ "باران اپنی بات ختم کرتے ہوئے خاموشی سے اُٹھ گئی تھی۔

پیچھے ہی ہونہہ کہہ کر منت بھی اٹھی تھی۔

اچھا ٹھیک ہے چلو نیچے۔ آرہا ہوں میں۔" وہ ہار مانتے ہوئے لیپ ٹاپ کا کور گراتے ہوئے اٹھا تھا۔"

میرے علاوہ کون احمق ہو سکتا ہے جو اتنا تھکا ہونے کے باوجود رات کے بارہ بجے فرمائشیں پوری کرتا پھر رہا ہو۔" وہ منہ ہی منہ میں "

بڑبڑاتے ہوئے گاڑی کی کیز اٹھا کر ان کے پیچھے چل دیا تھا۔

جبکہ اس کی بات سن کر منت اور باران نے یاہو ہو ہو کا نعرہ لگایا تھا۔

ویسے اس سکرپٹ کا رائٹر کون تھا؟" سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اخیار نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔"

کونسے سکرپٹ کا؟" باران نے پیچھے مڑتے ہوئے پوچھا تھا۔ "

"یہ چاند تاروں والے سکرپٹ کا؟"

آخری جملے کے علاوہ سکرپٹ کا سارا کریڈٹ منت کو جاتا ہے کیونکہ آخری جملہ خالصتاً میرا تھا اور میں نے خالصتاً دل سے بولا تھا اسی "

لیے تو آپ کے دل پر ٹھاہ کر کے لگا۔" باران کے بولنے پر منت جو فخریہ کالر جھاڑنے لگی تھی اس کا آخری جملہ سن کر برا سا منہ بنا کر

رہ گئی تھی۔

۔ وہ تینوں سیڑھیاں اترے ہی تھے کہ تینوں کے کان میں بھاری آواز پڑی تھی

تم تینوں اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" دادی نے کڑے تیوروں سے پوچھا تھا۔ "

ان کا سوال سن کر منت اور باران دونوں نے ایک دوسروں کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا تھا۔

دادی انہوں نے آئسکریم کھانی تھی۔ میرا ابھی دل کر رہا تھا تو بس آئسکریم کھانے جا رہے ہیں۔ آپ بھی آجائیں۔" اخیار کا جواب "

سن کر پہلے تو دادی نے منت اور باران کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا پھر ان کے ساتھ باہر کی جانب چل دی تھی۔ اخیار کے ہونٹوں

پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

اگر تم نے خود نہ کھانی ہوتی تو ان دونوں کے لیے میں تمہیں ہرگز نہ جانے دیتی۔ آخر تم اتنے تھکے ہوئے آئے ہو۔ لیکن اب چلو "

میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھا ہی لوں گی۔" گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے دادی اس کی تھکاوٹ کا احساس کرتے ہوئے بولی

تھی۔

کچھ نہیں ہوتا دادی۔ میں نے خود کھائی تھی آئسکریم اسی لیے انہیں لے کر جا رہا ہوں ورنہ میں نے انھیں بالکل نہیں لے کر جانا "

" تھا۔

دادی کی بات سن کر منت اور باران دونوں نے اخیار کی جانب دیکھا تھا جو ان دونوں کے لیے بڑی صفائی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ اسکے چہرے سے تھکاوٹ صاف واضح تھی۔ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں کے چہرے پر شرمندگی کے آثار ابھرے تھے۔ لیکن دونوں نے فخر اور غرور سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں جانتی تھیں کہ وہ شخص بے حد تھکے ہونے کے باوجود بھی ان کی فرمائشیں پوری کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ اگر وہ اڑتالیس گھنٹوں کی ڈیوٹی کے بعد گھر آتا تھا تب بھی ان سے ہار مانتے ہوئے ان کی کوئی نہ کوئی فرمائش پوری کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہو تھا۔ وہ بھائی لفظ سے منسوب فرائض اور تقاضے پورے کرنا جانتا تھا۔

زونائیشہ اور اس کی بچپن کی دوست انشا یونیورسٹی سے واپس آ رہی تھیں۔ انشا اور وہ یونیورسٹی کے ٹیچرز کے گناہ بخشوانے میں مصروف تھیں کہ زونائیشہ کی نظر سڑک کے بالکل پاس برگر کی ریڑھی پر پڑی تھی۔ اس نے چیختے ہوئے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا تھا۔ انشا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

یار مجھے برگر کھانا ہے۔" وہ للچائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔"

تمھیں یہاں سے برگر کھانا ہے۔" انشا نے اس جگہ کہ طرف اشارے کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ سٹریٹ فوڈ کی شوقین" ہے لیکن یہاں سے برگر کھانے کی اجازت تو وہ اسے بالکل نہیں دے سکتی تھی۔ اس لیے اس کا ڈھٹائی بھرا جواب سنے بغیر بولی تھی۔ میں تمھیں میکڈونلڈ کا برگر کھلاؤں گی۔ یہاں کا برگر چھوڑو تم۔" وہ اسے لالچ دیتے ہوئے بولی تھی۔"

ہونہہ۔۔ تم تو ہو ہی برگر بچی۔ میں تو آج یہیں سے برگر کھاؤں گی۔" وہ اس کی کوئی بات سنے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل" گئی تھی۔

وہ برگر والی ریڑھی کے پاس پہنچی تھی اور ریڑھی کے پاس کھڑے شخص پر غور کیے بغیر بولی تھی۔

"فٹافٹ ایک انڈے والا برگر بنادیں۔"

اخیار جو ایک دوست کے ساتھ بینک آیا ہوا تھا اس کا انتظار کرتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کا دوست ابھی تک بینک میں ہی تھا۔ لیکن وہ غلطی کر گیا تھا کہ غور کیے بغیر وہ گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کیے خود ریڑھی کے بالکل پاس کھڑا تھا۔

لیکن اسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی تھی کہ ہلکے جامنی رنگ کا سوٹ پہنے سر پر ویسے ہی سفید چادر لیے وہ وہی لڑکی تھی جس نے اسے ٹیکسی ڈرائیور بنایا تھا اور آج اسے برگر والا بنا گئی تھی۔ وہ بمشکل اپنی حیرت کو ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

"۔۔ جی؟"

بھئی انڈے والا برگر۔" وہ اس کی حیرت کا نوٹس لیے بغیر اس کے جی کو سوال سمجھتے ہوئے اپنے بیگ سے پیسے نکالتے ہوئے بولی" تھی۔ اخیار ضبط کر کے رہ گیا تھا۔

وہ پچھلا اور اب والا حساب برابر کرنے کے لیے بولنے ہی لگا تھا کہ اس کے الفاظ پہلے کی طرح منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ اسکا دوست پاس آتے ہوئے بولا تھا۔

سوری یار میں نے تمہیں زیادہ ہی انتظار کروایا۔" وہ لہجے میں مصنوعی شرمندگی لاتے ہوئے بولا تھا۔ جب کہ انداز سے صاف ظاہر" ہو رہا تھا کہ وہ زرا بھی شرمندہ نہیں ہے۔ اخیار نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن زونائیشہ نے اپنے بیگ سے پیسے نکال کے اسے تھمانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے غیر ارادی طور پر اخیار اور اس کے دوست پر نظر ڈالی تھی۔ اخیار کے دوست نے بھی حیرت سے یہ منظر دیکھا تھا کہ آخر ایک لڑکی اسے پیسے کیوں تھما رہی تھی۔ زونائیشہ صورت حال کو سمجھ کر کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ برگر والا جلدی سے ریڑھی کے پاس پہنچتے ہوئے بولا تھا۔

جی بی بی جی کیا چاہیے؟" وہ اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوا بولا تھا۔ زونائیشہ نے جلدی سے پیسوں والا ہاتھ پیچھے کھینچا تھا۔" اور وضاحت دیتے ہوئے بولی تھی۔

وہ آپ بالکل پاس کھڑے تھے تو مجھے لگا۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی اور اخیار پیچ و تاب کھاتا گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ اپنے" دوست کے گاڑی میں بیٹھنے پر اس نے ڈیش بورڈ پر پڑے سن گلاسز اٹھا کر آنکھوں پر لگائے تھے اور فوراً سے گاڑی اس کے پاس سے گزار کر لے گیا تھا۔

عجیب سنکی انسان ہے۔وضاحت بھی نہیں کرنی دی۔"وہ ہونہہ کہہ کر سر جھٹک کر برگر والے کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔اخیار " نے کلس کر سائیڈ ویو مرر سے اس کی شان بے نیازی دیکھی تھی۔مرر میں دکھتا اس کا عکس گاڑی کے دور ہونے پر معدوم ہونے لگا تھا۔اور اس نے انتہائی ضبط سے پاس بیٹھے دوست کا قہقہہ برداشت کیا تھا۔

لائیک سیر یسلی۔۔؟وہ لڑکی تمہیں برگر والا بنا گئی۔"وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تھا۔ "

وہ مجھے ٹیکسی ڈرائیور بھی بنا چکی ہے۔"وہ خود کلامی کے انداز میں بولا تھا جو اس کا دوست سن نہیں پایا تھا۔اپنے دوست کا مذاق اڑانا وہ" بالکل نظر انداز کر گیا تھا۔

تسلی سے برگر کھانے کے بعد زونائیشہ نے انشا کو اپنی بے وقوفی بتائی تھی۔اور اس کے اطمینان بھرے انداز کو دیکھ کر انشا سر پیٹ کر رہ گئی تھی۔

زونائیشہ مجھے لگتا ہے تمہیں چشمہ لگنے والا ہے۔"انشا نے بغیر کوئی لحاظ کیے طنز کیا تھا۔"

"یہ آگے پیچھے ہونے والے دو واقعات کے بعد قسم سے مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ مجھے واقعی چشمہ لگنے والا ہے۔"

انشا اس کے انتہائی عاجزانہ لہجے کو محسوس کرتے ہوئے دل مسوس کر رہ گئی تھی۔اس کی دوست کے دماغ کا ایک آدھ سکریو ڈھیلا تھا اور اب اسے اس بات پر یقین آگیا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے خود کو مرر میں دیکھا تھا۔لیکن خود کو پانچ منٹ تک تسلی سے دیکھتے رہنے کے بعد بھی وہ اس بات کا قائل نہیں ہوا تھا کہ وہ کسی بھی زاویے سے برگر والا لگ رہا تھا۔اور آئندہ کے لیے اس نے عہد کیا تھا کہ وہ کبھی رف حلیے میں گھر سے نہیں نکلے گا۔

اپنے کمرے سے نکل کر وہ لاؤنج میں آیا تھا جہاں دادی اور منت کی بحث چل رہی تھی۔بیچ بیچ میں باران اپنی دوستی اور رشتے داری کا

فرض نبھاتے ہوئے منت کی سائیڈ لے رہی تھی۔

کیا ہوا ہے؟"اخیار نے ساری صورتحال جاننے کے لیے سوال کیا تھا۔"

"ہونا کیا ہے اس سے ذرا پوچھو کہ یہ مجھے شاٹ آوٹ کیوں نہیں دے رہی۔ آفٹر آل میں اس کی دادی ہوں۔ اتنا ہی تو کہا ہے میں نے کہ انسٹا پر ایک سٹوری لگا دے۔ اتنی سی بات نہیں مان رہی میری۔" دادی نے شکایتی انداز میں اخیار کو بتایا تھا۔

منت یار لگا دوناں۔"وہ ان کی بحث ختم کروانے کے لیے منت سے بولا تھا۔"

"بھائی اب میں کیا اسٹوری لگاؤں کہ پلیز میری دادی کو فالو کر لیں۔ مجھے نہیں لگانی۔ سب کیا سوچیں گے کہ میری دادی انسٹاگرام استعمال کرتی ہے۔"

"تو تم دادی نہ لکھو۔" دادی نے اسے آسان حل پیش کیا تھا۔

"آپ تو چاہتی یہیں ہیں کہ آپ کو دادی نہ بلایا جائے۔ "

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ غور سے دیکھو ذرا مجھے۔ کہیں سے بھی لگتی ہوں میں دادی۔" دادی اتراتے ہوئی بولی تھی۔

"دادی اگر آپ یہ سننا چاہتی ہیں کہ میں بولوں کہ آپ دوشیزہ لگتی ہیں تو میں آپ کو بتا دوں کہ میں جھوٹ نہیں بولتی۔ "

"اخیار دیکھ لو دادی کے ساتھ بدتمیزی کر رہی ہے۔ "

" ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ کہیں سے بھی دادی لگتی ہی نہیں ہیں؟ "

"منتیں مانگ مانگ کر لیا تھا میں نے اسے۔ اسی لیے اس کا نام بھی میں نے منت رکھا تھا مگر اسے دیکھ دیکھ کر مجھے اپنی ساری منتوں پر افسوس ہوتا ہے۔"

اور دادی میں۔"باران بھی اپنے بارے میں کچھ ایسا ہی سننا چاہتی تھی کہ اسے بھی منتوں سے حاصل کیا گیا تھا۔ "

"بیٹا تم تو بونس میں آئی ہو۔ مانگا میں نے ایک کو تھا کیونکہ کہ مجھے پوتی کا بہت شوق تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ ایک کے ساتھ ایک پیس فری ملے گا۔"

دادی کی بات سن کر منت اور باران دونوں نے برا سا منہ بنایا تھا۔ وہ دونوں چچازاد تھیں۔ اور یہ سچ تھا کہ دادی نے واقعی کئی منتیں مانگیں تھیں وظیفے کیے تھے کہ اللہ ان کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو بیٹی عطا کرے اور پھر ایک کے بعد اللہ نے دوسرے بیٹے کو بھی

بیٹی سے نواز دیا تھا۔

اب تم نے اسٹوری لگانی ہے یا نہیں؟"دادی پھر سے اصل بات کی طرف لوٹی تھی۔ "

نہیں لگانی۔"منت نے بات ہی ختم کی تھی۔"

ٹھیک ہے۔"دادی تحمل سے مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ "

منت اور باران دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔دادی جب جب مسکراتے ہوئے بات ختم کرتی تھی تب تب دونوں کو کوئی نہ کوئی نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ان دونوں کے بقول جب جب راحت دادی ان کے پاس سے بحث چھوڑ کر مسکراتے ہوئے اٹھتی تھی تب تب ان دونوں کے لیے راحت ہاؤس میں راحت نہیں رہتی تھی۔

راحت ولا کی سربراہ راحت دادی تھی جو تمام فیصلے کرتی تھی۔اور راحت ولا کے تمام مکین ان کا حکم مانتے بھی تھے۔راحت بیگم کے دو بیٹے تھے۔جو اپنا اپنا بزنس کرتے تھے۔بڑے بیٹے کے دو بچے تھے اخیار اور منت۔جبکہ چھوٹے بیٹے کی ایک ہی بیٹی تھی باران۔ان کی دونوں بہوؤں کی بھی آپس میں خوب بنتی تھی اور جو اپنا بوتیک کا کاروبار چلا رہی تھیں۔بس دادی کی اپنی پوتیوں کے ساتھ نہیں بنتی تھی۔کیونکہ دادی کے مطابق وہ انہیں اپنی پوتیاں کم اور چھوٹی بہنیں زیادہ لگتی تھیں جس کی بنا پر اکثر ان دادی پوتیوں میں بحث مباحثہ اور تکرار چلتی رہتی تھی جسے دادی اور اس کی پوتیوں کے علاوہ کوئی سیریس نہیں لیتا تھا۔ان کی دونوں پوتیاں ابھی کالج سے فارغ ہو کر یونیورسٹی کے ابتدائی سال میں تھی۔منت اور باران کے مطابق راحت ہاؤس میں دادی کے پیار اور محبت و شفقت کا واحد حق دار اخیار تھا۔جو کہ اسپیشلائزیشن کے بعد اب پاکستان میں جاب کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا ہسپتال بھی بنوا رہا تھا۔

اخیار کو جاب کے ساتھ ساتھ ہسپتال کے تعمیری معاملات نے خاصہ الجھا رکھا تھا۔آج وہ نک سک تیار ہو کر ہسپتال ڈیوٹی کے لیے جا رہا تھا۔سگنل پر گاڑی روکے وہ سگنل کے کھولنے کا انتظار کر رہا تھا کہ غیر ارادی طور پر اس کی نظر اپنے ساتھ والی قطار میں موجود گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اس لڑکی پر پڑی تھی۔وہ وہی لڑکی تھی جو دو ملاقاتوں میں اسے ٹیکسی ڈرائیور اور بر گر والا بنا چکی نہیں تھا۔اس کے دل نے تمنا کی تھی کہ آج وہ لڑکی اسے ضرور دیکھے۔وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ تھی۔آج وہ بالکل رف حلیے میں

لڑکی اس حلیے میں اسے کونسا خطاب دیتی ہے۔وہ مسلسل اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔بادامی رنگ کا ڈوپٹہ اس کے سر کو ڈھانپے ہوئے تھا مگر پھر بھی بالوں کی چند شرارتی لٹیں اس کے چہرے کے گرد رقص کر رہیں تھی۔پہلی دو ملاقاتوں کی نسبت آج وہ اسے زیادہ پیاری لگی تھی۔وہ بےزاری سے سگنل کے کھولنے کا انتظار کر رہی تھی کہ مانگنے والے بچے نے گاڑی کا شیشہ بجایا تھا۔اخیار ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔اس نے شیشہ نیچے کیا تھا اور مسکراتے ہوئے نیلے رنگ کا نوٹ بچے کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔اتنا بڑا نوٹ دیکھ کر بچے کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔اتنی دیر میں سگنل بھی کھل گیا تھا اور اس نے مسکرا کر بچے کو دیکھتے ہوئے بائے کرنے کے انداز میں ہاتھ ہلایا تھا اور گاڑی آگے بڑھادی تھی۔اخیار کے ہونٹوں پر یہ دیکھ کر مسکراہٹ ابھری تھی اس نے بھی گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ ہسپتال پہنچ چکا تھا۔دو گھنٹوں تک وہ چند مریضوں کی فائل دیکھنے میں مصروف رہا تھا۔آج اسے ایک سرجری کرنی تھی۔اس لیے مریضوں کی فائلز دیکھنے کے بعد وہ اپنے ساتھی ڈاکٹر کا پتا کرنے کے لیے ریسیپشنسٹ کے پاس گیا تھا۔ابھی وہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اس سے پہلے اسے اپنے کانوں میں جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔

آپ ڈاکٹر اسما کی نیکسٹ ڈیک کی اپائنٹمنٹ دے دیں۔اگلے ہفتے پھر ہمیں پھر چیک اپ کے لیے آنا ہے۔" اخیار نے اس آواز کی جانب دیکھا تھا۔اس کے ساتھ ایک بوڑھی خاتون موجود تھی۔جو اس وقت اس کے ساتھ کار میں نہیں تھی۔اس خاتون کے حلیے سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ اس کی رشتہ دار نہیں تھی۔

دراصل میم اس ہاسپٹل میں دو اسما نام کی ڈاکٹر ہیں۔آپ بتادیں کہ گائناکولوجسٹ کی اپائنٹمنٹ چاہیے آپ کو یا کارڈیالوجسٹ " کی؟" ریسیپشنسٹ نے شائستہ لہجہ اپناتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کارڈیالوجسٹ کی اپائنٹمنٹ چاہیے ہمیں۔"

اس کے بتانے پر ریسیپشنسٹ نے اسے تاریخ اور وقت بتادیا تھا۔اس نے شکریہ بولتے ہوئے اپنے ساتھ موجود خاتون کو چلنے کا اشارہ کیا تھا اور خود بھی آگے بڑھ گئی تھی۔اخیار تب تک وہاں سے نہیں ہٹا تھا جب تک وہ اس کی آنکھوں سے بالکل اوجھل نہیں ہوگئی۔

زونائیشہ جب گھر پہنچی تو سبھی اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے سب کو سلام کیا تھااور دادی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

کہاں سے آرہی ہو لڑکی؟"انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔"

خدمت خلق کا کونسا کارنامہ سرانجام دے کر لوٹی ہیں محترمہ؟"دادی کو چائے پکڑاتے ہوئے امی نے کڑے تیوروں سے پوچھا تھا۔"

کس کمبخت نے میری بچی کو گھر والے بھلا رکھے ہیں؟"بابا نے لطیف سا طنز کرتے ہوئے پوچھا تھا۔وہ اکثر زونائیشہ سے اس طرح" کے مذاق کرتے رہتے تھے۔انہوں نے اپنی بیٹی کی تربیت کی تھی اور وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کی بیٹی اپنی تربیت اور حدود کو بالکل نہیں بھولتی تھی۔وہ اس سے اس طرح کے مذاق بھی اسی لیے کرتے تھے کہ اگر کبھی ایسی کوئی بات ہو تو وہ انہیں بتاتے ہوئے بالکل نہ جھجکے۔

دادا آپ نے کچھ بولنا ہے تو آپ بھی بول لیں پھر میں اجتماعی طور پر سب کے سوالوں کا جواب دے دیتی ہوں۔"اس نے دادا کو" دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

سارے سوال تو انہوں نے پوچھ لیے۔اب مجھے کوئی الفاظ نہیں مل رہے سوال پوچھنے کے لیے۔میں اگلی بار پوچھ لوں گا۔تم ابھی" تسلی سے صرف ان کے سوالوں کا جواب دو۔"دادا سر کھجاتے ہوئے بولے تھے۔

اوکے باس ڈن ہو گیا۔"وہ انہیں جواب دے کر سوال کرنے والوں کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ "

جی تو دادی صاحبہ میں ہوسپٹل سے آرہی ہوں۔"وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولی تھی۔اس کا جواب سن کر دادی کے " کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

اماں نوراں کا چیک اپ کروا کے لوٹی ہوں۔"اب رخ ماں کی طرف تھا۔دادای کو اس کا یہ جملہ سن کر تسلی ہوئی تھی۔ "

اور بابا جان کمبخت اماں نوراں نے مجھے گھر والے بھلا رکھے ہیں۔"وہ اپنے بابا کو دیکھتے ہوئے جس انداز میں بولی تھی انہوں نے بے" اختیار خجالت سے قہقہہ لگایا تھا۔

اماں نوراں ان کی پرانی ملازمہ تھی۔جو کافی عرصے سے اپنی نوکری چھوڑ چکی تھی اور بیمار رہتی تھی۔اور زونائیشہ ابراہیم اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ان کی خیر خبر رکھتی تھی اور اب ان کا علاج کروا رہی تھی۔اس کی بات سن کر سب کا تفتیشی لہجہ توصیفی لہجہ میں بدل

چکا تھا۔ اسنے بھی سکھ کا سانس لیا تھا۔

بیٹا ہمیں تمہارے مدد کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن پھر بھی تم احتیاط سے کام لیا کرو۔ دوسروں کا خیال رکھنا اچھی بات ہے" لیکن دوسروں کا خیال رکھتے رکھتے اپنی ذات کو نظر انداز کر دینا غلط بات ہے۔" دادا اسے سمجھاتے ہوئے بولے تھے۔ وہ اکثر اسے سمجھاتے رہتے تھے کیونکہ وہ اس کی فیاضی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے بھی ان کی بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اس کی کل کائنات یہی لوگ تھے۔ اسے ہمیشہ سے چاہ رہی تھی کہ وہ اور اس کے چاچو مل جل کر رہیں۔ زندگی میں اس کے پاس سب کچھ تھا بس رشتوں کی کمی تھی۔ اس کے مطابق دادا دادی اور ماں باپ کا رشتہ اس کے لیے ناکافی تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ لوگ بھی جوائنٹ فیملی سسٹم کا حصہ ہوتے۔ وہ اپنی چچیوں سے لاڈ اٹھواتی اپنے کزنز کے ساتھ ہلا گلا کرتی۔ لیکن اس کی خواہش اتنے سالوں سے ادھوری تھی۔

اخیار جب گھر لوٹا تو دادی لاؤنج میں اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ساتھ ہی دوسرے صوفے پر منت اور باران اپنے اپنے موبائل میں گھسی ہوئی تھیں۔ اخیار نے سب کو اجتماعی سلام کیا تھا۔ منت اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کچن کی جانب دی تھی۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ اگر اخیار گھر آتا تھا اور وہ پاس ہوتی تھی تو اسے پانی کا گلاس ضرور دیتی تھی چاہے اسے پیاس ہو یا نہ ہو۔ اب بھی وہ پانی کا گلاس لا کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

شکریہ۔" اخیار نے محبت سے گلاس تھام لیا تھا۔"

اخیار تم کھانا تو کھاؤ گے؟" دادی کے لہجے سے اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ پوچھ رہی تھیں یا بتا رہی تھیں۔ "

جی دادی میں کھانا کھاؤں گا۔" اسے واقعی بھوک لگ رہی تھی۔"

اچھا چلو پھر تمہیں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے کھانا کھلاتی ہوں۔ تم تھکے ہوئے ہو کہاں خود ڈرائیو کرو گے میں ڈرائیور کو کہتی ہوں" وہ گاڑی نکالتا ہے تب تک تم فریش ہو جاؤ۔" دادی کی شفقت بھری آفر سن کر اخیار تو خوش ہوا تھا جب کہ منت اور باران نے ایک

دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

نقصان۔۔"دونوں یک زبان ہو کر بولی تھیں۔ "

اخبار اُٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل دیا تھا۔ دادی نے اطمینان سے انہیں نظر انداز کیا تھا اور اٹھ کر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا بول کر واپس آکر بیٹھ گئی تھیں۔ ابھی وہ صوفے پر بیٹھی تھیں کہ موبائل پر نوٹیفکیشن جگمگایا تھا۔ نزدیک کی نظر کمزور ہونے کی وجہ سے انہوں نے موبائل تھوڑا فاصلے پر کیا تھا۔ اسی وقت منت نے انتہائی ادب سے دونوں ہاتھوں میں تھامے گلاسز ان کی جانب بڑھائے تھے۔ دادی نے ایک شان سے کلاسز اٹھا کر آنکھوں پر لگائے تھے۔

اسی وقت دوسرا نوٹیفکیشن بھی ابھرا تھا۔

منت اور باران دونوں نے انہیں اپنی اپنی سٹوری پر مینشن کیا تھا۔ دادی نے باری باری دونوں کو دیکھا تھا اور نخوت سے منہ موڑ لیا تھا۔

اہمم۔۔دادی وہ میں کہہ رہی تھی کہ اگر ہم دونوں بھی ساتھ چلیں تو۔"منت نے معصومانہ لہجے میں سوال کیا تھا۔"

یوں ہی نخوت سے منہ موڑے دادی چند لمحے خاموش رہی تھی اور پھر ایک دم ان کی جانب دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

ٹھیک ہے چلو تم دونوں بھی۔ کیا یاد کرو گی قسمت نے تم دونوں کو کس دادی کی پوتیاں بنایا تھا۔"وہ شان بے نیازی سے بولتے ہوئے" انہیں خوشی کی نوید سنا چکی تھیں۔

سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ زونائیشہ موبائل استعمال کر کے اکتا چکی تھی۔ اس کا بالکل دل نہیں لگ رہا تھا۔ دادا دادی ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھے۔ امی میگزین کی ورق گھمانے میں مصروف تھیں جبکہ بابا لیپ ٹاپ پر کچھ دیکھنے میں مصروف تھے۔ اس نے سب پر ایک اکتائی ہوئی نظر ڈالی تھی۔

بابا آج کہیں باہر کھانا کھائیں؟"بالآخر اسے اپنی اکتاہٹ کو دور کرنے کا یہی حل نظر آیا تھا۔ "

"میں تو راضی ہوں باقی سب سے پوچھ لو۔ "

"جی تو دادا دادی اور امی کیا فیصلہ ہے آپ کا؟"

ہم منع کریں گے تو کونسا تم رک جاؤ گی۔اس لیے ہم بھی تیار ہیں۔"سب نے حامی بھر لی تھی۔اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سب " ریستوران کے لیے نکل گئے تھے۔

اخیار فریش ہو کر نیچے آ چکا تھا۔دادی کے ساتھ وہ دونوں اسی کے انتظار میں گاڑی میں بیٹھی تھیں۔پسنجر سیٹ پر بیٹھتے ہی اخیار نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا تھا۔بیس منٹ کی مسافت طے کر کے وہ ریسٹورنٹ پہنچ چکے تھے۔انٹرنس پر پہنچ کر منت نے بے اختیار ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔

شٹ۔۔"وہ بولتے ہوئے رک گئی تھی۔"

کیا ہوا؟"اخیار نے رک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ "

"وہ میں اپنا پاؤچ گاڑی میں بھول گئی۔میرا موبائل تھا اس میں۔آپ یہیں رکیں میں ابھی لے کر آئی۔ "

نہیں تم رہنے دو۔میں جاتا ہوں لے آتا ہوں۔"اخیار کو اسے اکیلے پارکنگ ایریا بھیجنا مناسب نہیں لگا تھا اس لیے وہ خود ہی پارکنگ" ایریا کی جانب چل دیا تھا۔جب کہ دادی منت اور باران اندر داخل ہو چکی تھیں۔

وہ لوگ کھانا کھا کر ریستوران سے نکلنے لگے تھے کہ اس کے بابا اچانک سامنے سے چل کر آتی خاتون کو دیکھ کر رک گئے تھے۔زونائیشہ نے ان کے رکنے پر تعجب سے انہیں دیکھا تھا۔

خیریت بابا آپ رک کیوں گئے۔"زونائیشہ کے پوچھنے پر باقی سب بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ "

زیش بیٹا وہ جو سامنے آ رہی ہیں وہ میری یونیورسٹی کی ٹیچر ہیں۔آؤ ملتے ہیں ان سے۔"بابا نے دادی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا"

تھا۔جو ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ چکی تھیں۔

السلام علیکم میم۔کیسی ہیں آپ؟"ابراہیم صاحب پر جوشی سے بولے تھے۔ان کی آواز سن کر راحت بیگم کے ساتھ ساتھ منت اور" باران بھی ان کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

ارے ابراہیم بیٹا آپ۔۔وعلیکم السلام۔الحمدللہ میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟اپنے پرانے سٹوڈنٹ کو سامنے دیکھنے کی خوشی " ان کے چہرے کے ساتھ ساتھ ان کے لہجے سے بھی جھلک رہی تھی۔

الحمدللہ میم اللہ کا کرم ہے۔بڑی خوشی ہوئی یہ دیکھ کر آپ کو ابھی تک میرا نام یاد ہے۔"ابراہیم صاحب کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا " تھا۔

ارے بیٹا ایک ٹیچر اپنے سٹوڈنٹ کے نام اور کام کبھی نہیں بھولتا۔آپ تو ویسے بھی اپنے سیشن کے سب سے مودب سٹوڈنٹ" تھے۔آپ کو بھلا کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔اور بتاؤ کیا کرتے ہو۔کہیں جاب یا پھر اپنا بزنس؟"ان کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ٹیچر کی طرح جاننا چاہا تھا۔

"الحمدللہ اپنا بزنس ہے۔ "

چلو ماشاءاللہ یہ تو اچھی بات ہے۔یہ ساتھ تمہاری بیٹی ہے؟"انہوں نے زونائیشہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تھا جو ان کے " پیچھے کھڑی تھی۔

جی یہ میری بیٹی ہے۔زونائیشہ ابراہیم۔"ان کے تعارف کروانے پر زونائیشہ نے انہیں سلام کیا تھا۔ "

ماشاءاللہ بہت پیاری بچی ہے۔"انہوں نے زونائیشہ کی من موہنی صورت کو نظر میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "

چند منٹ یوں ہی بات جیت کے بعد وہ انہیں اللہ حافظ بول کر ریسٹورنٹ سے نکل آئے تھے۔

اخیار گاڑی سے پاؤچ لے کر پارکنگ ایریا سے نکلنے ہی لگا تھا کہ اس کا موبائل بجا تھا۔ہسپتال سے کال آرہی تھی جو سننا ضروری تھی۔ وہ وہیں کھڑا کال سن رہا تھا کہ ایک دم اسکے دل میں کوئی نامعلوم سا احساس جاگا تھا۔شاید کسی دل کے قریبی شخص کے پاس ہونے کا احساس۔مگر وہ اس احساس کو کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔اسے یوں لگ رہا تھا کہ کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی جیسے کچھ چھوٹ گیا ہو۔کوئی منظر یا پھر کوئی ملاقات۔کال ختم ہوتے ہی وہ ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا تھا جب کہ زونائیشہ ابراہیم اپنی فیملی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ

کر وہاں سے جاچکی تھی۔

اخیار کی روٹین اب بہت ٹف ہو چکی تھی۔ کبھی کبھی تو اسے اڑتالیس اڑتالیس گھنٹے ہسپتال میں گزارنے پڑتے تھے۔ ان اڑتالیس گھنٹوں میں کافی کے آٹھ دس مگ پر ہی گزارا کرنا پڑتا تھا۔ اس دن اسے بامشکل تھوڑی سی فرصت ملی اور وہ کچھ دوستوں کے ساتھ ریسٹورنٹ کھانا کھانے گیا تھا۔ اس کے بالکل پیچھے والی ٹیبل پر زونائیشہ ابراہیم ہی تھی جو اپنی دوست کے ساتھ رازو نیاز میں محو تھی۔ اخیار کے کانوں میں اس کی آواز پڑتے ہی اس کے ذہین میں پچھلی ساری ملاقاتیں ابھری تھیں۔ اس کی آواز سن کر اسے ناجانے کیوں خوشی محسوس ہوئی تھی۔ اس کے دونوں دوست کھانا منگوا کر کھانے میں مصروف تھے۔ وہ بھی خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھا مگر کان پیچھے والی ٹیبل پر لگے تھے۔

اس انزلہ نزلہ کو میں چھوڑوں گی نہیں۔ ٹھیک ہے اگر میں نے تھوڑی سی چیٹنگ کر ہی لی تھی تو سر کو بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ " اتنا کم ظرف نہیں ہونا چاہیے انسان کو۔ اپنی بار کوئی کام ہو تو کیسے میٹھی چھری بن کر مجھ سے نوٹس لے لیتی ہے۔ اور خود بھی تو وہ چیٹنگ کر رہی تھی میری ان گناہگار آنکھوں نے خود دیکھا تھا مگر اس انزلہ نے سارا نزلہ مجھ پر گرا دیا تھا۔ "اس کے غمگین لہجے میں بولے جانے والے الفاظ مدھم آواز میں اخیار کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"اخخخ۔۔ کیا نزلہ نزلہ لگا رکھا ہے۔ اب بالکل مت بولنا ورنہ میں یہاں سے اٹھ کر چلی جاؤں گی۔ "

اس کی دھمکی پر زونائیشہ نے اسے گھور کے دیکھا تھا۔

اچھا تم کھانا آرڈر کرو۔ کچھ کھاؤ گی تو غم ہلکا ہو جائے گا تمہارا۔ "انشا اب اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولی تھی۔ "

مجھے اس منافق شہر میں نہیں رہنا انشا میں بتا رہی ہوں تمہیں۔ "اس کی ڈرامے بازی عروج پر تھی۔ "

چل اِنشا اپنے گاؤں میں۔۔

یہاں الجھے الجھے روپ بہت پر اصلی کم،

بہروپ بہت

اس پیڑ کے نیچے کیا رُکنا جہاں سایہ کم ہو،

دھُوپ بہت

چل انشا اپنے گاؤں میں بیٹھیں گے

سُکھ کی چھاؤں میں

کیوں تیری آنکھ سوالی ہے؟

یہاں ہر اِک بات نرالی ہے

اس دیس بسیرا مت کرنا

یہاں مفلس ہونا گالی ہے

چل انشا اپنے گاؤں میں بیٹھیں گے

سُکھ کی چھاؤں میں

جہاں سچے رشتے یاریوں کے

جہاں گھونگھٹ زیور ناریوں کے

جہاں جھرنے کومل سُکھ والے

جہاں ساز بجیں بن تاروں کے

چل انشا اپنے گاؤں میں بیٹھیں گے سُکھ کی چھاؤں میں"

وہ انشا کے نام کا اکثر مذاق اڑاتی تھی اور اب بھی انشا نے اس کے نام نہاد دکھ کا لحاظ کرتے ہوئے بڑی مشکل سے ضبط کیا تھا۔

"تم نے کچھ آرڈر کرنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اب میری برداشت ختم ہو چکی ہے۔" انشا چڑتے ہوئے بولی تھی۔ وہ جب سے یونیورسٹی سے آئی تھیں تب سے اس کا یہی رونا تھا۔ انشا اسے ریسٹورنٹ لے آئی تھی کہ شاید اس کا دکھ کچھ کم ہو جائے مگر اب وہ اس کا دکھ سن

سن کر پک گئی تھی۔

ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے کرتی ہوں آرڈر۔" وہ مینیو کارڈ دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ اور دور کھڑے ویٹر کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا تھا۔ "
میں ذرا ہینڈ واش کر کے آتی ہوں۔" انشا بولتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔"

اخیار نے اس کی ساری باتیں بڑے غور سے سنی تھیں۔ اور اس کی نظم اسے خاصی پسند آئی تھی۔ وہ تینوں دوست کھانا کھا چکے تھے۔
اخیار نے دوبارہ ہاسپٹل جانا تھا۔ اس لیے مزید بیٹھنے کی بجائے وہ تینوں دوست اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے دونوں دوست باہر کی جانب بڑھ گئے۔ جب کہ وہ بھی ٹیبل سے کیز اور موبائل اٹھا کر باہر کی جانب بڑھنے لگا تھا کہ موبائل پر میسج دیکھ کر وہ غیر ارادی طور پر ان کی ٹیبل کے پاس رکا تھا۔

ایسے کریں کہ لوڈیڈ فرائز اور میک اینڈ چیز کر دیں اور ساتھ۔۔" آواز سنتے ہی اخیار کے میسج ٹائپ کرتے ہاتھ بالکل ساکت ہوئے" تھے۔ اس نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اس پر جمائی تھیں۔ جو مینیو کارڈ دیکھتے ہوئے ابھی تک آرڈر دینے میں مصروف تھی۔ شاید نہیں یقیناً وہ اسے ویٹر سمجھ رہی تھی۔ اخیار کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ ابھری تھی۔ آج اس نے کچھ بول کر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ بلکہ اس پر بھرپور نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کے دل نے خواہش کی تھی کہ وہ اسے بھر سے ملے۔ اگلی ملاقات میں وہ اس سے اپنا تعارف کروانا چاہتا تھا۔ اس کا آگے بڑھنا محسوس کر کے زونائیشہ نے فوراً سے مینیو کارڈ سے نظریں ہٹائی تھیں اور اس کی جانب دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا ویٹر پورا آرڈر لیے بغیر جا رہا تھا اور اسے روکنے کے لیے وہ آواز دینے ہی لگی تھی کہ اس شخص کی پشت کو دیکھتے ہوئے وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی تھی۔ تبھی ویٹر نے اس کی ٹیبل کے پاس پہنچ کر ادب سے ہاتھ باندھ کر آرڈر پوچھا تھا۔ ویٹر کو گھوری سے نوازتے ہوئے اس نے آرڈر دیا تھا تب تک انشا بھی آ چکی تھی۔

اس کی ذہین میں بار بار وائٹ شرٹ والے شخص کی پشت ابھر رہی تھی۔ وہ اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھ سکی اور اب کی بار اس نے انشا کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کے نزدیک وہ ذرا سا غلط فہمی تھی۔ اگر وہ شخص اس کی ٹیبل کے پاس نہ رکتا تو وہ کبھی اسے ویٹر نہ سمجھتی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے قصوروار دوسرے شخص کو ہی ٹھہرایا تھا۔

اس واقع کے بعد وہ اخیار کے ذہین سے بالکل محو نہیں ہوئی تھی۔ دن گزرتے جا رہے تھے اور وہ لڑکی اس کے ذہن میں ویسے ہی اٹکی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ اسے فراغت میں بھی یاد نہیں آتی تھی اور کبھی کبھی شدید مصروفیت میں بھی وہ یاد آ جاتی تھی مگر ایک بات تو تہہ تھی کہ وہ کسی صورت بھی اسے بھولتا نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ کسی ٹیکسی کو دیکھ کر انجانے میں اپنی گاڑی کی سپیڈ آہستہ کر لیتا تھا اس نظر آ جائے۔ اور جب کبھی وہ کسی سگنل پر پر رکتا تھا تو اپنے چاروں اطراف نظر دوڑاتا کہ شاید وہ پھر سے امید پہ کہ شاید وہ اسے کسی بچے کو پیسے تھماتی اسے نظر آ جائے۔ لاشعوری طور پر اس کی نظریں ہسپتال میں بھی وہی چہرہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی تھیں۔ اور اگر وہ کسی ریسٹورنٹ جاتا تھا تو دل کے کسی کونے میں یہی امید ہوتی تھی کہ شاید وہ اسے کسی ٹیبل پر بیٹھی نظر آ جائے۔ مگر نہ تو وہ اسے کسی برگر والی دکان پر نظر آئی تھی اور نہ ہی کہیں اور۔ دو سال بیت گئے تھے اور وہ لڑکی آج بھی اس کے خیالوں میں بستی تھی۔ وہ لڑکی جس کا وہ نام بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ لڑکی جو ہر ملاقات کے بعد اس کے ذہین سے محو ہو جاتی اور پھر سے مل جاتی تھی اور اب جب کہ وہ اسے اپنے ذہین سے بالکل محو نہیں کر پا رہا تھا تو وہ اسے کہیں نہیں مل رہی تھی۔ اس ریسٹورنٹ میں اس کی دو سال پہلے کی جانے والی خواہش ابھی تک ادھوری تھی۔

موسم ابر آلود ہو رہا تھا۔ آج بادل شاید گرجنے کے ساتھ ساتھ برسنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے۔ موسم کے تیور دیکھ کر زونائیشہ نے صحن میں رکھی چیزوں کو برآمدے میں رکھنا شروع کیا تھا۔ وہ چارپائی اٹھا کر صحن میں رکھنے کے لیے جا رہی تھی کہ اپنے کمرے سے نکلتی بڑی چچی جان نے اسے تنبیہ لہجے میں آواز دی تھی۔

"یہ چارپائی میرے کمرے کے سامنے مت رکھنا۔ موسم خراب ہے تمہارے چچا یہاں اپنی بائیک کھڑی کریں گے۔ اپنی چھوٹی چچی کے کمرے کے سامنے رکھ دو۔" ان کی بات سن کر وہ چھوٹی چچی کے کمرے کے سامنے چارپائی رکھنے کے لیے بڑھی تھی کہ صحن میں ایک جانب چھوٹے سے بیسن پر منہ دھونے کے لیے کھڑی چچی نے منہ پر صابن لگے ہونے کے باوجود رخ برآمدے کی جانب پھیرا تھا۔

"ارے زیش! تمہیں پتا تو ہے مٹھو اپنی سائیکل کھڑی کرتا ہے یہاں۔ ابھی بچہ کھیل کر آ جائے گا اور بارش ہونے لگ گئی تو اپنی

سائیکل باہر صحن میں تھوڑی کھڑی کرے گا۔ تم اپنی تائی کے کمرے کے سامنے رکھ دو۔" اس سے پہلے کہ کچن سے نکل کر آتی بڑی تائی کچھ بولتی وہ خود ہی انہیں دیکھ کر بول پڑی تھی۔

تائی مجھے پتا ہے رات کو بجلی چلی جائے تو آپ اپنی چارپائی باہر نکال کر برآمدے میں سوتی ہیں۔ اور چونکہ آپ کو اپنی چارپائی کے " علاوہ کسی اور چارپائی پر نیند نہیں آتی تو اس کو یہاں رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے آپ بالکل بے فکر رہیں میں یہاں بالکل نہیں رکھ رہی ہوں۔" وہ چارپائی صحن میں دیوار کے بالکل ساتھ کھڑی کرتے ہوئے بولی تھی۔ اور بس یہ سوچ کر رہ گئی تھی کہ ہے تب اپنی چارپائی ساتھ کیوں نہیں لی جاتے ہے۔ آخر وہاں انہیں کسی اور چارپائی پر نیند کیسے آجاتی بڑی تائی جب اپنے مائیکے جاتی ہے۔ اور یہ سبھی کے پاس اپنا سامان رکھنے کے لیے جگہ کیوں بن جاتی ہے اور دادی مرحومہ کی ایک چارپائی رکھنے کے لیے ہی جگہ کیوں نہیں بنتی آخر۔ جب کہ سارا دن وہ چارپائی اپنا حق سمجھ کر استعمال کی جاتی ہے۔۔ اور آخر ان کا کمرا اتنا چھوٹا کیوں تھا کہ اس میں دادی کی چارپائی کی جگہ نہیں بنتی تھی۔ اور پھر ان کے کمرے کے سامنے برآمدہ کیوں نہیں تھا کہ وہ دادی کی چارپائی وہاں رکھ سکتی۔ وہ صحن میں باقی پڑی چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھانے کے ساتھ ساتھ سوچنے کا کام بھی جاری رکھے ہوئے تھی۔

یہ چھوٹے سے گھر کا ایک منظر تھا جس میں ایک بڑا خاندان آباد تھا۔ یہ گھر جو پانچ کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک لائن میں موجود تین کمروں کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ بھی تھا۔ جبکہ اطراف میں موجود دونوں کمرے برآمدے سے محروم تھے۔ ایک طرف کے کمرے میں زونائیشہ اپنی ماں کے ساتھ پچھلے دو سال سے رہ رہی تھی اور دوسری سائیڈ پر چھوٹا سا کمرا تھا جو بنایا تو شاید کچن کے لیے گیا تھا مگر وہ کمرا اسٹور روم کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ ہر بے کار چیز وہیں پھینکی جاتی اور چونکہ اب دادا بھی اس گھر کے مکینوں کے لیے کسی کام کے نہیں تھے اس لیے انہیں بھی اسی روم میں رکھا گیا تھا۔ اس گھر میں چار فیملیز موجود تھیں۔ اس کے بڑے تایا جن کی دو بیٹیاں تھیں اور شادی شدہ تھیں۔ پھر اس کے منجھلے چچا جن کی ایک بیٹی اور بیٹا تھا جبکہ چھوٹے چچا کا ایک ہی بیٹا تھا عظیم عرف مٹھو۔ اور اکثر اوقات زونائیشہ اس بات پر کافی سوچ بچار کرتی تھی کہ آخر اتنے چھوٹے سے گھر میں اتنے لوگ کیسے رہ سکتے ہیں اور پھر وہ سوچتے سوچتے اسی نتیجے پر پہنچتی تھی کہ اس گھر کے مکینوں کا اگر ظرف چھوٹا تھا تو اس میں سب سے بڑا ہاتھ اس چھوٹے گھر کا تھا۔ جس نے ان کا ظرف بڑھنے نہیں دیا بالکل اپنے حدود اربع کی طرح۔

ہلکی ہلکی ہوا جوش پکڑ رہی تھی۔ شاید بادلوں نے برسنے سے پہلے ہوا کے تیز سروں پر درختوں کا رقص دیکھنے کی خواہش ظاہر کر دی

Urdu Novels Ghar

تھی۔ ساتھ ہی مغرب کی اذان کی صدا بھی بلند ہونے لگی تھی۔ اس نے صحن پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تھی کہ بھیگنے والی کوئی چیز باہر نہ پڑی رہ جائے۔ جب اسے اس بات کی تسلی ہو گئی تھی کہ وہ سب کچھ اٹھا چکی ہے تو وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ بجلی ہمیشہ کی طرح موسم کے ذرا سے تیور دکھانے سے پہلے ہی جا چکی تھی۔ ایسے میں اندر داخل ہونے پر اس کی آنکھوں کو ملگجے سے اندھیرے سے مانوس ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ چند لمحوں بعد اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئی تو وہ اپنی ماں کو سکوں سے سوتا دیکھ کر مطمئن ہوئی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ اور دادا کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ وہ چارپائی پر بیٹھے ناجانے کن سوچوں میں گم تھے۔

دادا قبرستان چلیں؟ ابو اور دادی کی قبر پر فاتحہ پڑھ آتے ہیں۔" دادا اس کے بلانے پر چونکے تھے۔ "

"نہیں بیٹا کل چلیں گے۔ ایک تو اب مغرب ہو رہی ہے اور دوسرا اگر بارش ہونے لگ گئی تو ہم دونوں بھیگ جائیں گے۔"

زونائیشہ نے ان کی بات سن کر برا سا منہ بنایا تھا۔ "دادا ہم بارش کے آنے سے پہلے گھر واپس آ جائیں گے۔ اور مغرب ہو رہی ہے تو پھر "کیا ہوا؟

اچھا ٹھیک ہے چلو۔" وہ ہار ماننے والے انداز میں بولے تھے اور اس کے ساتھ چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔"

وہ گیٹ عبور کرنے ہی لگے تھے کہ باہر سے آتے تایا نے سوال داغا تھا۔

" آپ اس بچی کو لے کر اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ "

ہم دونوں قبرستان جا رہے ہیں ابھی آ جائیں گے۔" دادا نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا تھا۔ "

ابا جی آپ کی تو ہمیشہ کے لیے قبرستان جانے کی کب کی عمر ہو چکی ہے اور آپ یہ قبرستان کے چکر لگانے والے چکروں میں پڑے" ہوئے ہیں۔" تایا کی بات سن کر زونائیشہ کے چہرے پر سرد سے تاثرات چھا گئے تھے۔ اور دادا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔ ان کی قوت گویائی صلب ہو گئی تھی۔

زونائیشہ ان کی مشکل آسان کرتے ہوئے بولی تھی۔

تایا کل مجھے تنخواہ ملنی ہے۔ تو میں سوچ رہی تھی کہ آج دادی اور ابو کی قبر سے ہو آؤں۔ کافی دن ہو گئے ہیں میں قبرستان نہیں " گئی۔" وہ جان بوجھ کر تنخواہ کا ذکر کرتے ہوئے بولی تھی۔ اور اس کی توقع کے عین مطابق تنخواہ کا سن کر تایا کی باچھیں کھل گئیں تھیں۔

ضرور میری گڑیا، ضرور جاؤ قبرستان۔" ان کے بدلتے انداز کو دیکھ کر زیش کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری تھی اور دادا کو چلنے کا اشارہ کر کے گیٹ سے نکل گئی تھی۔

" تایا مذاق کرتے ہوئے مذاق کی نوعیت کو سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن خیر چھوڑیں۔ آپ ان کے مذاق کو سنجیدگی سے مت لیجیے گا۔" گھر سے تھوڑا دور آنے پر وہ دادا کو عجیب انداز میں تسلی دیتے ہوئے بولی تھی۔

" ہاں اسے مذاق کرنے کی عادت ہے۔ اور بھلا میں کیوں سنجیدگی سے لوں اس کے مذاق کو۔" دادا ایک لمبا سانس خارج کرتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں بولے تھے۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ مذاق نہیں تھا۔ مگر پھر بھی دونوں ایک دوسرے کو عجیب انداز میں مطمئن کرنے میں لگے تھے۔

ہوا کی تیزی میں کمی آچکی تھی۔ مگر درختوں کے پتے اور فصلیں ہلکی ہوا ہونے کے باوجود لہلہانے میں مصروف تھے۔ زونائیشہ نے محویت سے وہ منظر دیکھا تھا۔

" دو سال ہو گئے ہیں تمہیں اس گاؤں میں آئے ہوئے اور یہاں کی مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے، ابھی تک تمہیں یہ گاؤں اور اس کے منظر سہانے لگتے ہیں۔؟" دادا اس کی محویت محسوس کرتے ہوئے بولے تھے۔

" یہ مصیبتیں تو شاید میری قسمت میں تھی دادا۔ اس میں بھلا اس گاؤں کا کیا قصور ہے۔ اور آپ کو یاد ہے جب میں بابا اور آپ کے ساتھ یہاں تا تا اور چاچو لوگوں کو ملنے آتی تھی تو کتنی ضد کرتی تھی کہ مجھے یہیں رہنا ہے۔ لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ جب میں یہاں رہوں گی تو مجھے اتنا مجبور اور بے بس ہو کر رہنا پڑے گا۔" وہ آنکھوں میں آئی ہلکی سی نمی کو بخوبی چھپاتے ہوئے بولی تھی۔

" بیٹا تمہاری خواہش غلط نہیں تھی۔ تمہارے فیصلے غلط تھے۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا اپنے تایا اور چاچو پر اعتبار مت کرو۔ وہ میری اولاد تھے میں انہیں اچھے سے جانتا تھا۔ لیکن تم نے میری بات نہیں مانی۔" وہ افسوس زدہ لہجے میں بولے تھے۔

" دادا آپ کے سامنے تو تھا سب کچھ۔ اس دن اگر ہم دونوں بھی دادی، بابا اور امی کے ساتھ اس کار میں ہوتے تو شاید ہم دونوں میں سے کوئی بھی صحیح سلامت اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکتا۔ دادی کا اس کار حادثے میں وفات پا جانا، بابا کا دو ماہ تک کومہ میں رہنا اور پھر فوت ہو جانا اور امی کا معذور ہو جانا۔ اور آپ بھی تو کتنے دن صدمے سے نہیں نکل پائے تھے۔ ایسے وقت میں کیسے میں سمجھ داری سے بزنس سنبھالتی۔ ایک ماہ میں ہی دونوں فیکٹریاں تباہ ہو گئی تھیں۔ اور تایا اور چاچا نے مجھے یوں محسوس کروایا تھا کہ ان سے زیادہ

مخلص تو کوئی ہے ہی نہیں ہمارا۔ اور اس سے پہلے آپ نے یا کسی اور نے مجھے کب ان کی نیت کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔ مجھے تو ہمیشہ ہی وہ اچھے اور مخلص لگتے تھے۔ مجھے لگا مجھے ان پر اعتبار کر لینا چاہیے۔ اور جس دن میں سب کچھ ان کے حوالے کرنے لگی تھی اس سے ایک دن پہلے مجھے سمجھانے کا کیا فائدہ ہونا تھا بھلا۔ اور انہوں نے بھی تو دو تین ماہ تک مطمئن رکھا تھا۔" وہ آنکھوں میں اتر آنے والے آنسوؤں کو حلق میں اتارنے کے لیے خاموش ہوئی تھی۔

تمہارا اعتبار مزید بڑھ گیا۔ اور انہوں نے اعتبار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر تک بکوا دیا۔ تمہیں اپنی باتوں کے بہکاوے میں اپنے ساتھ " رہنے پر مجبور بھی کر لیا اور دنیا کے سامنے اچھا بننے کے لیے تمہاری ماں کو، تمہیں اور مجھے اپنے گھر بھی لے آئے۔" وہ اس کے خاموش ہونے پر بولے تھے۔

دادا مجھے لگا تھا امی اور آپ فیملی کے ساتھ رہیں گے تو آپ جلدی صحت یاب ہو جائیں گے۔ اور شہر میں کیسے میں اکیلی امی کا خیال" رکھتی اور پھر بزنس بھی سنبھالتی۔ اس لیے مجھے لگا کہ مجھے آپ لوگوں کو لے کر یہاں آ جانا چاہیے۔" وہ اپنے کیے گئے غلط فیصلوں کی وضاحتیں دیتے ہوئے بولی تھی۔

ہاں یہاں پر جو سہولیات تمہیں ملی ہیں وہ بھلا شہر میں کہاں ملنی تھی۔ یہاں آ کر تمہیں ٹیچنگ کرنا پڑی، گھر کے کام کرنا پڑے وہ " کام جن کو کرنے کا کبھی خیال بھی تمہارے ذہین میں نہیں آیا ہو گا۔ اور ساتھ اپنی ماں کو بھی سنبھالنا پڑا۔" وہ ناراض لہجے میں دکھی انداز میں بولے تھے۔

دادا وہ غلط فیصلے کرنا شاید میری قسمت میں تھا۔ اور ان فیصلوں کے نتائج بھگتنا میرے ساتھ ساتھ آپ کے اور امی کے نصیب میں " بھی لکھا تھا۔" وہ بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

زینش کبھی کبھی مجھے دکھ ہوتا ہے اور بہت دکھ ہوتا ہے کہ کہاں وہ لڑکی جو ناشتہ بریڈ اور جیم سے کرتی تھی، جس نے کبھی کسی کام کو " ہاتھ نہیں لگایا تھا، جس نے کبھی سخت گرمی میں اے سی کے بغیر سونے کا تصور نہیں کیا تھا اب وہ لڑکی صبح ناشتے میں اپنے ہاتھوں سے بنی چپاتی کھاتی ہے۔ گھر کا کام کرتی ہے۔ اپنی معذور ماں اور دادا کو سنبھالتی ہے۔ اور سخت گرمی میں بغیر پنکھے کے بھی سو جاتی ہے۔ "مجھے یہ دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔

آپ کو پتا ہے جب میں یہاں ملنے آیا کرتی تھی تو تائی اور چچی اور گاؤں کی باقی عورتوں کو دیکھ کر مجھے بھی بہت دکھ ہوتا تھا۔ مجھے "

بھی تکلیف ہوتی تھی جب میں دیکھتی تھی کہ تایا اور چچا لوگوں کی فیملیز کے پاس وہ سہولیات اور آسائشیں نہیں ہیں جو مجھے میسر تھیں۔ میں ہمیشہ یہاں سے جانے کے بعد بابا سے شکایت کیا کرتی تھی کہ آخر وہ اپنی فیملی کو فنانشلی سپورٹ کیوں نہیں کرتے۔ اگر وہ پڑھ لکھ کر کسی مقام پر پہنچ گئے تو وہ صرف دادی اور آپ کی کفالت کیوں کرتے ہیں باقی سب کی کیوں نہیں کرتے۔ اور وہ مجھے ہمیشہ یقین دلایا کرتے تھے کہ وہ کرتے ہیں ان کی مدد۔ مجھے یقین دلانے کے لیے کئی بار وہ میرے سامنے لاکھوں کا چیک چچا اور تایا لوگوں کو دے کر جاتے تھے۔ مگر اگلی بار آنے پر پھر بھی ان کی حالت ویسی ہی ہوتی تھی۔ ایک دن جب ہم واپس جا رہے تھے تو میری نئی ڈیمانڈ پر کہ تایا اور چاچو لوگوں کو ہم شہر اپنے ساتھ لے جائیں وہ مجھ سے کہنے لگے کہ بیٹا! جن کے حالات کو دیکھ کر تم تکلیف محسوس کرتی ہو ناں انہیں ان حالات کی عادت ہو گئی ہے۔ اور میں چاہے انہیں جتنے مرضی پیسے دیتا رہوں یہ اپنے حالات کو پھر بھی درست نہیں کریں گے۔ اور جب ان لوگوں نے ہمارا گھر اور دونوں فیکٹریاں دھوکے سے بیچ ڈالی تو مجھے یہاں آ کر پتا چلا کہ بابا صحیح کہتے تھے انہیں عادت ہو گئی ہے ایسے جینے کی اور ان لوگوں سے اپنی عادتیں نہیں بدلی جاتی۔ آپ کی پوتی کو بھی اب ایسے جینے کی عادت ہو گئی ہے۔ بس شکر کی بات یہ ہے کہ کہ آپ کی پوتی کو عادتیں بدلنی آتی تھی یا شاید یہ وقت تھا جس نے میری عادتیں بدلوا دیں۔" وہ دکھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

دادا نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اسے تسلی دینے کے لیے ان کے پاس الفاظ موجود نہیں تھے۔

وہ قبرستان پہنچ چکے تھے۔ دونوں قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے بعد انہوں نے گھر کی راہ لی تھی۔

ہوائیں ایک بار پھر سے زور پکڑ رہی تھیں۔ اندھیرا بھی زمین پر قبضہ کرنے کے لیے آہستہ آہستہ اپنے قدم جما رہا تھا۔

"دادا جلدی چلیں۔ یہ نہ ہو ہمارے گھر پہنچنے سے پہلے ہی بارش شروع ہو جائے۔"

تم نے کہا تھا ہمارے گھر پہنچنے تک بارش نہیں ہو گئی۔" دادا اسے یاد دلاتے ہوئے بولے تھے۔"

میری محکمہ موسمیات والوں سے بات تھوڑی ناں ہوئی تھی۔ میں نے آپ کو ساتھ لانے کے لیے ایسا کہا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے" بولی تھی۔ اس کی بات سن کر دادا بھی مسکرا پڑے تھے۔

ان کے گھر پہنچنے سے دس پندرہ منٹ بعد ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ اور نا جانے رات کے کس پہر بادل اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کسی اور جگہ کا رخ کر گئے تھے۔

Urdu Novels Ghar

اگلی صبح امی اور دادا کو ناشتا کرانے کے بعد اس نے حسب معمول ان کی دوائیاں دی تھیں اور خود تیار ہو کر سکول کی جانب چل دی تھی۔ موو کلر کا سادہ سا سوٹ پہنے گاؤں کی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے وہ ارد گرد کی فصلوں کو نظر بھر کے دیکھ رہی تھی۔ بارش کے بعد جیسے سب کچھ دھل گیا تھا۔ اس پگڈنڈی پر چلتے ہوئے اس نے ان فصلوں کو دیکھ کر سوچا تھا کہ ایک دن اس کی زندگی کے سارے غم بھی دھل جائیں گے۔

راحت ولا کے تمام مکین اٹھ چکے تھے۔ اور ڈائینگ ٹیبل کے گرد موجود تھے۔ سربراہی کرسی پر موجود دادی نے تمام مکینوں کی موجودگی کو یقینی بنانے کے لیے ڈائنگ ٹیبل کے گرد طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ یہ اس گھر کا اصول تھا کہ صبح کا ناشتہ سب نے اکٹھے کرنا ہوتا تھا۔

منت کہاں ہے؟" دادی نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ "

پریزنٹ دادی۔ "سیڑھیوں اتر کر نیچے آتی منت نے وہیں سے ہانک لگائی تھی۔ دادی نے اسے بھرپور گھوری سے نوازتے ہوئے اگلا" سوال داغا تھا۔

میرے جگر کا ٹکڑا اخیار کہاں ہے؟" اب کی بار ان کا لہجہ محبت سے لبریز تھا۔ "

میں ادھر ہوں دادی۔ "کف کے بٹن بند کرتے ہوئے بھرپور پر سنیلٹی کے ساتھ سامنے سے چل کر آتے اخیار نے جواب دیا " تھا۔

ٹیبل کے پاس پہنچ کر اس نے دادی کے سامنے سر جھکایا تھا۔ جو انہوں نے محبت سے چوم لیا تھا۔

منت نے یہ محبت بھرا سین کر دیکھ پہلو بدلا تھا۔ اور اپنے ساتھ بیٹھی باران کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

یہ انہیں چونچلوں کی وجہ سے اخیار بھائی دادی کو اپنے جگر کا ٹکڑا لگتے ہیں اور ہم لوگ تو ویسے ہی دادی کو زہر کی پڑیا لگتی ہیں۔ "منت" کا دکھی لہجہ سن کر باران نے اس سے بھرپور اتفاق کیا تھا۔

"چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اخیار نے منت کے کان میں ہلکی سی سرگوشی کی تھی۔ "میں نے سن لیا زہر کی پڑیا۔

پتا نہیں ہاتھی کے کان ہیں یا انسان کے۔"اب کی بار وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ "

میں نے وہ بھی سن لیا۔"اخیار مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تھا۔ "

اس سے پہلے کہ منت کوئی جوابی حملہ کرتی دادی بول پڑی تھی۔

"اِنشا کی شادی ہے۔اس کے گھر والوں نے سب کو بلایا ہے۔ان کے ساتھ بہت اچھے اور بہت پرانے تعلقات ہیں ہمارے۔اس لیے میں سب کو اطلاع دی رہی ہوں جس کو جتنا مرضی ضروری کام ہو وہ شادی ہر صورت اٹینڈ کرے گا۔"دادی اپنی بات پوری کر کے ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔جب کہ وہاں موجود کچھ لوگ کے چہرے یہ اعلان سن کر دمک اُٹھے تھے جن میں سر فہرست منت اور باران کا چہرہ تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد اخیار نے سب کو اجتماعی خدا حافظ کہا تھا اور ہسپتال کے لیے نکل گیا تھا۔ناشتہ کرنے کے بعد سفینہ جو کہ راحت بیگم کی بڑی بہو تھی انہیں اطلاع دیتے ہوئے اٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں میں سکول کے لیے نکلتی ہوں۔چار پانچ دن ہو گئے ہیں میں نے سکول کا چکر نہیں لگایا۔فائقہ میں دو تین گھنٹوں تک آ جاؤں گی۔تب تک تم سب سنبھال لینا۔"وہ ساتھ ہی اپنی دیورانی کو اطلاع دیتے ہوئے بولی تھیں۔

منت دادی کے سامنے اپنی شرارتوں اور زبان دونوں کو کنٹرول میں رکھنا۔"وہ جاتے جاتے منت کو تنبیہ کرتے ہوئے بولی تھی۔"

تھوڑی دیر بعد ڈرائیور نے سکول کی عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی۔یہ سکول اخیار نے بنوایا تھا مگر اس نے تمام ذمہ داریاں اپنی ماں کو سونپ رکھی تھیں۔اور وہی یہ سکول چلاتی تھی۔

زونائیشہ کو سکول سے آئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اس کے موبائل کی رنگ بجی تھی۔انشا کی کال تھی۔کال اٹینڈ کرتے ہی ہشاش بشاش سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"زیش زندہ ہو یا مر کھپ گئی ہو۔"

ابھی تک تو میری سانسیں چل رہی ہیں۔"زونائیشہ نے ڈرامائی انداز میں جواب دیا تھا۔"

اچھا۔۔میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری سانسیں بند کروں۔میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ تمہیں میری شادی پر " دو تین دن پہلے آنا ہے۔اور تم خود بھی یہی کہتی تھی۔کل مہندی ہے اور تم ابھی تک نہیں آئی۔کہاں گئے تمہارے وعدے؟"وہ خفگی سے بولی تھی۔

"انشا صاحب کیا بتاؤں آپ کو۔۔۔"وہ لمبا سا سانس خارج کرتے ہوئے بولی تھی۔"

یار امی کی کنڈیشن تمہارے سامنے ہے تم خود بتاؤ میں انہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے آ جاؤں۔"وہ سنجیدگی سے اسے وجہ بتاتے ہوئے بولی تھی۔

یار کچھ گھنٹوں کے لیے تو آ سکتی ہوں تم۔"وہ روہانسے لہجے میں بولی تھی۔ "

میں کوشش کروں گی کہ ضرور آؤں لیکن نہ آ سکی تو پلیز ناراض مت ہونا۔"زونائیشہ کے منانے پر بالآخر وہ اس بات پر راضی ہو " ہی گئی تھی۔چند اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد زونائیشہ نے کال کاٹ دی تھی۔

انشا کی کال تھی؟"ماں کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ "

" کیا کہتی وہ؟ "

"کل مہندی ہے اس کی۔ضد کر رہی تھی کہ میں ہر صورت آؤں۔ "

"تو تم اپنے دادا کو لے کر چلی جاؤ۔"

امی میں انہیں کہاں بسوں پر اپنے ساتھ خوار کرتی پھروں۔اور ویسے بھی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔اگر ممکن ہوا تو بارات" "والے دن سکول سے چھٹی کو لوں گی اور کچھ گھنٹوں کے لیے چلی جاؤں گی۔

زیشہ یہ تمہاری وہی دوست ہے جس سے تم جب تک مل نہیں لیتی تھی تب تک تمہارا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔اور جس کی شادی " کے لیے تم نے اتنی پلاننگز کر رکھی تھیں۔اب اسی کی شادی پر نہیں جاؤ گی تم؟وہ اسے یاد دلاتے ہوئے بولی تھیں۔

امی میں کچھ نہیں بھولی ہوں۔بس یہ جو وقت ہے ناں یہ بہت ظالم ہے۔اور قسمت اس سے بھی بڑھ کر ظالم ہے۔کئی بار وقت اور" قسمت دونوں مل کر ہمیں ایسی مات دیتے ہیں کہ ہمارے خواب ہماری پلانز دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔"وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے اداس لہجے میں بولی تھی۔

Urdu Novels Ghar

اس کی ماں نے اذیت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وقت واقع بہت ظالم ہوتا ہے۔

اس کا مہندی پر جانے کا ارادہ تھا مگر ماں کو بخار ہونے کی وجہ سے اپنا ارادہ کینسل کرنا پڑا تھا۔ ویڈیو کال پر اس نے انشا سے معذرت بھی کر لی تھی۔ اور انشا نے اسے موبائل پر مہندی کی تمام تیاریاں دکھائی تھی۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ماں اور دادا دونوں سو چکے تھے۔ وہ ٹائلوں والی چھت کو گھورتے ہوئے اپنے ماضی کو سوچ رہی تھی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ ماضی اتنا شاندار نہیں ہونا چاہیے ورنہ حال میں گزارا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک زمانے وہ تھا جب وہ لوگوں کو ترس کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی آج وہ خود بھی ان لوگوں جیسے حال میں تھی۔ اور اب اسے خود پر بے تحاشا ترس آتا تھا۔ زندگی بھی کیا چیز ہے۔ کبھی مہرباں اور کبھی ظالم۔

اخیار جب گھر پہنچا تو سب لوگ مہندی پر جانے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ وہ اتنا تھکا ہوا کہ اس کا چہرہ اس کی تھکاوٹ کی عکاسی کر رہا تھا۔

دادی میں آج بہت تھکا ہوا ہوں۔ مسلسل آٹھ گھنٹے اوٹی میں کھڑا رہا ہوں۔ اب مجھ میں بالکل ہمت نہیں ہے۔ میں آج نہیں جا سکتا" کل ضرور جاؤں گا انشاءاللہ۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

دادی نے اس کے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں اور اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولی تھیں۔

"جاؤ میرے بچے آرام کرو۔ "

ان کی بات سن کر اخیار نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ بیڈ پر لیٹتے ہی اس نے آنکھیں موندھ لی تھیں۔ آنکھوں میں ایک بار پھر سے وہی عکس ابھرا تھا۔ دل نے پھر سے اس سے ملاقات کی خواہش کی تھی۔ دماغ نے پھر سے دلیل دی تھی کہ وہ اب نہیں ملے گی۔ دل نے ہمیشہ کی طرح پھر سے دلیل رد کی تھی۔ دل و دماغ کی اس جنگ میں اسے کب نیند آئی تھی اسے بھی پتا نہیں چلا تھا۔

زونائیشہ نے آج سکول سے چھٹی کر لی تھی۔گھر کا کام کرنے کے بعد وہ تھوڑی دیر دادا کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی اور پھر امی کے پاؤں دبانے لگ گئی تھی۔

آج تو جاؤ گی ناں تم؟"انہوں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا۔"

"جی امی آج میں جاؤں گی۔انشا نے بولا ہے وہ ڈرائیور کو بھیج دے گی۔تا کہ مجھے کوئی پریشانی نہ ہو۔"

چلو یہ تو اچھا ہو گیا۔تم کہاں بسوں میں خوار ہوتی پھرتی۔"وہ مطمئن لہجے میں بولی تھیں۔"

ان کے پاؤں دبانے کے بعد زونائیشہ کمرے سے نکل کر باہر آ گئی ہے۔

اور دیوار کے ساتھ لگے سکھ چین پودے کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

یہ پودا جو بچپن سے اس کے ساتھ تھا۔اپنا گھر بک جانے کے بعد جو واحد چیز وہ اس گھر سے اپنے ساتھ لائی تھی وہ سکھ چین کی کاٹی ہوئی شاخ تھی جو پودا بن چکی تھی۔یہ درخت اس کے اچھے دنوں میں بھی اس کے ساتھ تھا اور اب برے دنوں میں بھی کوئی شکایت کیے بغیر وہ چپ چاپ اس کا ساتھ نبھا رہا تھا۔وہ اپنے تمام راز اس پودے سے بانٹتی تھی۔اس کی تنہائی کا واحد ساتھی وہ پودا تھا۔جو اس کی تمام باتیں سنتا تھا مگر وہ اس پودے کی کوئی بات نہیں سن پاتی تھی۔

سکھ چین کے پودے نے اپنے سامنے سادہ سے حلیے میں بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر یہ خواہش کی تھی کہ کاش وہ اسے بتا سکتا کہ "تنہائی انسانوں کی ایجاد ہے۔"کاش وہ اس کی بات سن سکتی کہ جس طرح وہ اس لڑکی کو پیارا ہے بالکل اسی طرح وہ لڑکی بھی اسے پیاری ہے۔"

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد زونائیشہ وہاں سے اُٹھ گئی تھی۔انشا کا ڈرائیور آنے والے تھا اسے تیار ہونا تھا۔جب کہ اس کا پسندیدہ پودا اس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔جس کے پتے اور تنا سوکھا ہوا تھا۔وہ پودا جب سے یہاں آیا تھا ایسے ہی مرجھایا ہوا تھا لیکن نہ تو وہ مکمل طور پر سوکھتا نہ ہی ہرا ہوتا تھا۔

اخیار رات کو لیٹ آیا تھا اسی لیے ابھی تک سو رہا تھا۔ دادی کب کا سب کو تیار ہونے کا بول چکی تھی اور کچھ دیر پہلے اسے جگانے آئی تھی۔ انہیں زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی وہ ان کی ایک پکار پر اٹھ گیا تھا۔ دادی کے جانے کے بعد اس نے شاور لیا تھا۔ وارڈروب سے اپنا استری شدہ سفید رنگ کا سوٹ پہن کر جب وہ تیاری مکمل کر کے لاؤنج میں آیا تھا تو سب تیار ہو کر اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے باہر آنے پر ایک بار سب کی نظریں اس پر ٹھہر گئی تھیں۔ وہ بہت کم سوٹ پہنتا تھا۔ عموماً عید کے دن یا جب کبھی وہ سال میں ایک دو دفعہ ہسپتال سے چھٹی کرتا تبھی سوٹ پہنتا تھا۔ اور بلاشبہ وہ سوٹ پہن کر بھرپور وجاہت کا مجسمہ لگتا تھا۔ دادی نے اسے دیکھتے ہی اس کی نظر آتی تھی۔

یہ حسن کا دیوتا ہمارے گھر کہاں سے آ گیا؟" منت نے شرارتی انداز میں پوچھتے ہوئے اس کے حسین لگنے پر چوٹ کی تھی۔"

اب تم اتنی مبالغہ آرائی بھی مت کرو۔ مجھے پتا ہے تمہیں تو بالکل بھی حسین نہیں لگتا۔" اخیار مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تھا۔"

آپ دادی کو اتنے حسین لگتے ہیں تو پھر مجھے کیسے لگ سکتے ہیں۔" اس نے بیچارگی سے اسے وجہ بتائی تھی اور اخیار اب کی بار اپنی" مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

دادی نے سب کو گاڑیوں میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ اور سب انشا کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اخیار اس کی ماں، دادی، منت اور باران ایک گاڑی میں تھے۔ اخیار گاڑی چلانے میں مصروف تھا جب دادی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

اخیار اٹھائیس سال کے ہونے والے ہو تم۔ تم نے کب کرنی ہے شادی؟ اب تو تم تعلیم مکمل کر چکے ہو اپنا ہسپتال بنا چکے ہو اب اور" کس بہانے پر شادی کو ٹالنا ہے؟" دادی نے کڑے تیوروں سے پوچھا تھا۔

بالکل اماں پوچھیں اس سے۔ ہم سب کے اتنے ارمان ہیں اس کی شادی کو لے کر۔ لیکن اس کو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔" اس کی ماں" دادی کی حمایت کرتے ہوئے بولی تھی۔

اخیار نے میوزک آن کیا تھا۔ ان کے سوالوں سے بچنے کی ادنی سی کوشش کی گئی تھی۔ جو کہ دادی کے اسی وقت ہاتھ بڑھا کر میوزک آف کرنے پر دم توڑ گئی تھی۔

میوزک آن کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہماری بات کا جواب دو۔" دادی نے تیکھے لہجے میں کہا تھا۔ "

دادی ایسی کوئی ملی نہیں ہے جسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کی چاہ ہو۔ جسے دیکھ کر لگے کہ وہ زندگی کی ہر اونچ نیچ میں میرا ساتھ "

نبھائے گی۔"اس نے ہار مانتے ہوئے وجہ بتائی تھی۔وہ انہیں یہ نہیں بتا سکا تھا جو ملی تھی وہ کھو گئی تھی اور دوبارہ نہیں مل رہی تھی۔

کوئی ڈھونڈو گے تو ملے گی۔ تمہارے تو ہسپتال میں بھی اتنی خوبصورت ڈاکٹرز ہیں انہی میں سے کوئی دیکھ لو۔" دادی نے فوراً تجویز " پیش کی تھی۔

دادی آپ بھی حد کرتی ہیں۔لڑکی نہ ہوئی کوئی شو پیس ہو گیا کہ جو خوبصورت ہے وہی پسند کر لوں۔"وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا تھا۔ "

مجھے کچھ نہیں سننا۔بس جلد تم لڑکی پسند کرو۔ ہمیں تمہاری شادی کرنی ہے بات ختم۔"وہ حکمیہ لہجے میں بولی تھیں۔ "

اخیار ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا تھا۔

"پیچھے بیٹھی منت نے دانت نکالتے ہوئے باران کے کان میں سرگوشی کی تھی۔"اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔

زونائیشہ نے دادا کو بتا دیا تھا۔ دادا نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔وہ انشا اور اس کی دوستی کی گہرائی سے واقف تھے۔باقی گھر والوں کو اعتراض ہوا تھا کہ آخر وہ اکیلی کیوں جا رہی ہے۔ان میں سے کسی کو ساتھ لے کر جائے۔لیکن دادا نے سب کو دو چار سنا کر اس کے ساتھ جانے سے باز رکھا تھا۔وہ نہیں چاہتے تھے وہ اتنے عرصے بعد کسی فنکشن پر جا رہی ہے تو اسے کھل کر انجوائے ہی نہ کر سکے۔وہ جانتے تھے اگر ان میں سے کوئی اس کے ساتھ جاتا تو وہاں ضرور اپنی کسی حرکت کی وجہ سے اس کے لیے شرمندگی کا باعث بنتا۔

تیاری کرتے ہوئے اس کے دل میں عجیب کسک اُٹھ رہی تھی۔یہاں آنے کے بعد وہ پہلی بار تیار ہو کر کسی فنکشن پر جا رہی تھی۔رہ رہ کر اسے ماضی کی آسائشات یاد آ رہی تھیں۔ پیچ کلر کا کامدار سوٹ پہن کر اس نے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔جب کہ پیروں میں پینسل ہیل پہن رکھی تھی۔اور ہلکا ہلکا میک اپ اس کے چہرے کو چار چاند لگا رہا تھا۔ماں نے اسے دیکھ کر بے اختیار ماشاءاللہ کہا تھا۔ اسے تیار ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ڈرائیور لینے آ گیا تھا۔دادا اور ماں کو خدا-حافظ بولنے کے بعد وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ سارا راستہ اس نے مختلف سوچوں میں گزارا تھا۔گاڑی کے رکنے پر وہ سوچوں سے باہر آئی تھی۔ڈرائیور نے اتر کر اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔وہ سر کے اشارے سے شکریہ بولتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ تمام انتظامات لان میں کیے گئے تھے۔انتہائی

خوبصورتی سے سجائے گئے لان کو دیکھتے ہوئے اسے انشا کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ یاد آیا تھا۔ ایک بار اس کی شادی کے ذکر پر زونائیشہ نے اس وعدہ کیا تھا کہ اس کی شادی پر لان کی سجاوٹ وہ اپنی موجودگی میں کروائے گی اور اس کا برائیڈل شاور بھی وہی کروائے گی۔ پرانی باتیں یاد کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر کرب زدہ مسکراہٹ ابھری تھی۔ سامنے سے آتے اخیار کی نظر بلاارادہ اٹھی تھی اور سامنے سے چل کر آتی لڑکی کے کرب زدہ مسکراہٹ والے چہرے پر ٹھہر گئی تھی۔ چند لمحوں کا کھیل تھا اور زونائیشہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ اخیار نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ اپنے دھیان میں چلتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ اخیار اپنی جگہ ساکت و جامد ہو گیا تھا۔ وہ بلاشبہ وہی تھی۔ وہی جس کا وہ پچھلے دو سال سے منتظر تھا۔ نا جانے کیوں ایک دم اس کے دل میں تکلیف ہوئی تھی جس لڑکی کو دیکھنے کی اور جس سے ملنے کی اس نے اتنی دعائیں کی تھیں جس کو اس نے دو سال تک بغیر اس کا نام جانے اپنے خیالوں میں بسائے رکھا تھا وہ اپنے خیالوں میں چلتے ہوئے بے خبری سے اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ کسی چیز نے بھی اس کے قدم زنجیر نہیں کیے تھے۔

گھر کی ملازمہ نے دور سے زونائیشہ کو دیکھ لیا تھا اور بھاگتے ہوئے اس تک پہنچی تھی۔

زونائیشہ بی بی آپ؟" وہ حیرت و مسرت سے چیختے ہوئے اس کے گلے لگنے کے لیے آگے بڑھی تھی مگر پھر ایک دم رک گئی تھی۔" چند قدموں کی دوری ہونے کے باوجود اخیار نے ملازمہ کی آواز سنی تھی اور مڑ کر دیکھا تھا۔ ملازمہ کا چہرہ اخیار نے دیکھا تھا مگر وہ زونائیشہ کا چہرہ نہیں دیکھ سکا وہ دوسری جانب رُخ کیے کھڑی تھی۔

زونائیشہ نے ملازمہ کا ایک دم رکنا محسوس کیا تھا۔ اور پھر خود ہی اسے آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا تھا۔ یہ انشا لوگوں کی کافی پرانی ملازمہ تھی۔ زونائیشہ جب بھی یہاں آتی تھی اس کے ہاتھوں کی بنی آلو کی بھجیا ضرور کھاتی تھی۔

حمیدہ مجھے آپ کی آلو کی بھجیا بہت یاد آتی تھی۔" وہ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے بولی تھی۔"

اور مجھے آپ بہت یاد آتی تھیں۔ چلیں آئیں میں آپ کو انشا بی بی کے پاس لے چلتی ہوں وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔" وہ" ملازمہ کے ساتھ چل دی تھی۔ اخیار نے حیرت سے وہ منظر دیکھا تھا۔ ان کے چند قدم آگے جانے پر ان کی آوازیں بالکل مدھم ہو گئیں تھیں۔ مگر وہ تب تک وہی کھڑا رہا تھا جب تک وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی تھی۔

عائشہ۔۔ تو اس کا نام عائشہ ہے۔ امپریسنگ۔۔" وہ دل ہی دل میں بولتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔ اب کی بار اس نے پکا ارادہ کیا تھا "

کہ وہ اسے پہلے کی طرح غائب نہیں ہونے دے گا۔ لیکن اس کا نام سننے میں اسے غلطی ہو گئی تھی۔

زونائیشہ کو دیکھ کر انشا تقریباً چیختے ہوئے اٹھی تھی اور اس کے گلے لگ گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے یوں ملی تھیں جیسے صدیوں کی بچھڑی ہوں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دونوں کی آنکھوں سے پانی نکل آیا تھا۔ زونائیشہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی دیکھ کر شرارت سے کہا تھا۔ "میری تو خیر ہے لیکن تم اپنی آنکھوں کا پانی سنبھال کر رکھو ایک تو تمہارا میک اپ خراب ہونے کا خطرہ ہے اور دوسرا رخصتی کے وقت یہ کام آئے گا۔"

اس کی بات سن کر انشا روتے روتے ہنس پڑی تھی۔ اس کے بعد دونوں کو جتنا وقت ملا تھا انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جی بھر کے باتیں کی تھیں۔ وہ ابھی بھی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ انشا کی امی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

زیش بیٹا ڈرائیور کے ساتھ جا کر پھول اور گجرے تو لے آؤ۔ بارات آنے والی ہے اور کوئی گجرے اور پھول لایا ہی نہیں۔ میں اس وقت جا نہیں سکتی۔ "وہ پریشانی سے بولیں تھیں۔

آنٹی آپ پریشان مت ہوں۔ میں ڈرائیور کے ساتھ جا کر لے آتی ہوں" وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی تھی۔"

وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھی مگر چند منٹ بعد وہ واپس آ گئی تھی۔

کیا ہوا تم گئی نہیں؟" انشا اسے واپس آتا دیکھ کر بولی تھی۔ "

"ڈرائیور نہیں ہے یار۔ وہ گاڑی لے کر کہیں گیا ہوا ہے۔"

"تم کسی اور کے ساتھ چلی جاؤ۔ "

"میں کسی کو جانتی نہیں ہوں۔ کس کے ساتھ جاؤں۔"

اچھا آؤ میں کسی کو دیکھتی ہوں۔ "وہ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکتے ہوئے بولی تھی۔ اخیار کو ایک لڑکے کے ساتھ کھڑا دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔"

زیش وہ جو سامنے دو لڑکے ہیں ان سے جا کر پوچھنا اخیار کون ہے۔ اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ بابا کے دوست کا بیٹا ہے۔ میرا نام لینا وہ ساتھ لے جائے گا۔"

زونائیشہ کو تھوڑا ان کمفرٹیبل لگ رہا تھا مگر وہ دل پر پتھر رکھ کر ان دو لڑکوں تک پہنچ ہی گئی تھی۔ اخیار کی اس جانب پشت تھی۔

آپ میں سے اختیار کون ہے؟" اخیار کو عین اپنی پشت پر اسی آواز میں اپنے نام کی پکار سنائی دی تھی۔ جس میں تھوڑی گڑبڑ کر دی " گئی تھی۔ وہ حیرت زدہ ہو کر پلٹا تھا۔ وہ سچ مچ اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ اپنی حیرت کو دباتے ہوئے وہ بامشکل بول پایا تھا۔

اختیار نہیں اخیار۔ اور میں ہی اخیار ہوں۔" اپنا درست نام بتا کر اب وہ اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ "

وہ دراصل مجھے انشا نے بھیجا ہے کہ میں آپ کے ساتھ جا کر گجرے اور پھول لے آؤں۔ ڈرائیور نہیں ہے ورنہ آپ کو زحمت نہ " دیتی۔" وہ اسے اصل مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

کوئی مسئلہ نہیں۔ میں آپ کو لے چلتا ہوں۔" وہ بولتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔ زونائیشہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی " تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اخیار نے اس سے پوچھا تھا۔

" صرف پھول اور گجرے لینے ہیں؟ "

جی۔۔" وہ یک لفظی جواب دے کر خاموش ہو گئی تھی۔ "

اخیار نے گاڑی چلاتے ہوئے چپکے سے ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔ وہ چپ چاپ شیشے سے پار دیکھ رہی تھی۔ دو سالوں میں وہ ان معمولی سی ملاقاتوں کو بھول گئی تھی اور دو سالوں میں اخیار رضا اسے بھول نہیں پایا تھا۔

اس نے اخیار کو اختیار کہا تھا ورنہ اخیار کے ذہن میں یہی تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسے کچھ اور سمجھے گی۔ لیکن اخیار کو اپنی خوش قسمتی لگ رہی تھی کہ وہ رف حلیے میں نہیں تھا اور اس نے دو سال بعد اسے دیکھ کر اور اسے مخاطب کر کے اس کی دو سال پہلے والی خواہش پوری کر دی تھی جو ایک بار اس نے زونائیشہ کو ہسپتال میں دیکھ کر کی تھی۔

آپ کا نام کیا ہے؟" اسے چپ دیکھ کر اچانک اس کے منہ سے نکلا تھا۔ پھر وہ خود ہی اس سوال پر پچھتایا تھا کہ نام تو پتا تھا کچھ اور پوچھ " لیتا۔

زونائیشہ" وہ شیشے کے پار بھاگتے مناظر کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ "

اووہ۔۔۔ تو اس کا نام عائشہ نہیں زونائیشہ ہے۔ میں نے اس کا نام غلط سنا تھا۔" وہ گاڑی چلاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "

آپ انشا کی کیا لگتی ہیں؟" اخیار نے ایک اور سوال داغا تھا۔ "

میں اس کی دوست ہوں۔" اب بھی اس نے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔"

انشا کو میں بھی کافی عرصے سے جانتا ہوں لیکن اس کے فرینڈز سرکل میں کبھی دیکھا نہیں ہے میں نے آپ کو؟"(جو کہ سراسر "

(جھوٹ تھا۔ انشا سے دو تین بار ہی اس کی ملاقات ہوئی تھی

دو سال سے ہم دونوں بہت کم ہی ملتی ہیں اس لیے شاید آپ نے مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" وہ وضاحت دیتے ہوئے بولی تھی۔"

مجھے بہت افسوس ہے۔ جب آپ اس سے زیادہ ملتی تھیں تب میں نے آپ کو کیوں نہیں دیکھا۔" سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے "

اخیار نے آخری جملہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

جی؟ کس چیز کا افسوس ہے آپ کو؟ باہر بھاگتے مناظر رکے تھے تو اس نے رُخ موڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھ نہ آنے پر "

سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کی جانب دیکھنے پر اسے احساس ہوا تھا کہ ساتھ بیٹھا شخص وجاہت کا شاہکار تھا۔ آدھے چاند کی طرح مڑی ہوئی پلکیں، گہرے سیاہ رنگ کی بھنویں، ہلکی ہلکی داڑھی، بے شک اللہ نے اسے فرصت میں بنایا تھا۔ اور سفید رنگ اس پر ضرورت سے زیادہ جچتا تھا۔

اخیار اس کا سوال سن کر گڑ بڑایا تھا۔ اسے اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تھا۔

آپ انشا سے آخری دو سالوں میں بہت کم ملی ہیں ناں اس بات کا افسوس ہے مجھے۔" وہ زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے "

ہوئے بولا تھا۔ مگر اس کی زبردستی کی مسکراہٹ زونائیشہ کو اتنی پیاری لگی تھی کہ بے اختیار اس کے دل نے ماشاءاللہ کہا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے زونائیشہ کے دماغ میں ہلکا سا عکس ابھرا تھا۔ اسے یوں لگا تھا کہ وہ اس شخص سے مل چکی ہے۔ مگر اسے اس شخص کے دھندلے سے عکس کے سوا کچھ یاد نہیں تھا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شخص یاد رہتا ہے اور وقت، موقع اور ملاقات بھول جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

اخیار نے آج سگنل پر گاڑی روک کر ادھر ادھر نظریں نہیں دوڑائی تھیں۔ وہ زونائیشہ سے پوچھنا چاہتا تھا آخر وہ دو سال انشا سے بہت کم کیوں ملی مگر اخیار نے مزید کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔

پھول اور گجرے لینے کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھنے لگے تھے کہ اخیار کا موبائل بجا تھا۔ ہسپتال سے کال تھی اس لیے اس نے کال کاٹنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کال اٹینڈ کر لی تھی۔

وعلیکم السلام۔جی کہیے کیا مسئلہ ہوا ہے؟"وہ گاڑی کی سپیڈ آہستہ کرتے ہوئے بولا تھا۔"

اگر ایمر جنسی کیس ہے تو ڈاکٹر نائلہ سے کہیں اٹینڈ کریں انھیں۔اس میں پریشان ہونے والی یا مجھے کال کرنے والی کون سی بات ہے۔"وہ فون کان سے لگائے ہوئے بولا تھا۔اس کی باتوں سے زونائیشہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ضرور وہ ڈاکٹر ہے۔

کب گئی ہیں ڈاکٹر نائلہ اور کس کی اجازت سے گئی ہیں؟"وہ ایک دم ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے بولا تھا۔"

ایک دن کے لیے بھی آپ لوگ سب کچھ مینج نہیں کر سکتے۔اور ڈاکٹر نائلہ کو اس بات کی تنخواہ نہیں دی جاتی ہے کہ وہ جب چاہیں " اپنے دوستوں کے ساتھ لنچ کے لیے چلی جائیں۔انہیں کہیں اگر ان کی مصروفیات زیادہ ہیں تو ہمیشہ کے لیے چھٹی لے لیں۔میرے ہاسپٹل کو ویسے بھی ایسے نان سیریس سٹاف کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔اب جائیں اور ڈاکٹر اریبہ کو ان کے کوارٹر سے بلا کر لائیں۔"اور انھیں کہیں پیشنٹ کو اٹینڈ کریں۔اور مجھے انفارم کرنا ہے ساری صورتحال سے۔

کال کاٹنے کے بعد اس نے ناجانے کیا بڑبڑاتے ہوئے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھا تھا۔

زونائیشہ اس کی بڑبڑاہٹ تو نہیں سن پائی مگر اس نے چپکے سے ایک نظر اس پر ضرور ڈالی تھی۔

باقی کا سفر خاموشی سے کٹ گیا تھا۔نہ ہی زونائیشہ کوئی بات کر پائی تھی۔اور نہ ہی اخیار چاہ کر بھی مزید اس سے کوئی سوال پوچھ سکا تھا۔

اخیار کو دو سال پہلے اس کی ہر ملاقات کے کپڑوں کے رنگ تک یاد تھے اور اسے اخیار ہی یاد نہیں تھا۔

وہ گھر کے بالکل سامنے پہنچ آئے تھے۔زونائیشہ گجرے اور پھول لے کر اترنے لگی تھی کہ اخیار نے آواز دی تھی۔

"سنیے۔۔"

جی؟"وہ اس کی آواز سن کر پلٹی تھی۔ "

کچھ نہیں۔۔"اخیار کے دل میں اچانک اس کی کلائیوں میں گجرے دیکھنے کی خواہش جاگی تھی اور وہ اس سے یہ کہتے کہتے رک گیا کہ "وہ بھی گجرے پہنے۔اس ڈر سے وہ کہیں برا نہ ملا لے یا اس کے بارے میں کچھ برا نہ سوچنے لگے۔

اس کے کچھ نہیں کہنے پر زونائیشہ الجھی تھی مگر پھر چپ چاپ کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتر گئی تھی۔

بارات کے آنے تک تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔لڑکیاں پھول اور گجرے لے کر انٹرنیس پر کھڑی تھیں۔زونائیشہ انٹرنیس پر

کھڑے ہونے کی بجائے انشا کے ساتھ ہی کمرے میں رہی تھی۔ اخیار کی نظروں نے اسے کئی بار ڈھونڈا تھا مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ انشا کو اسٹیج پر بیٹھانے کے بعد زونائیشہ کارنر والی ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔

کھانے کے ٹائم پر بھی اس نے بے رغبتی سے چند لقمے کھائے تھے

جب زونائیشہ کھانا کھا رہی تب اخیار نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ زونائیشہ انشا کے اصرار کے باوجود رخصتی تک نہیں رک سکی تھی۔ انشا نے بھی اس کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔ اور پھر ڈرائیور اسے گھر چھوڑ گیا تھا۔ اور اخیار کے دل میں یہ خواہش دبی رہ گئی تھی کہ وہ اس سے کچھ بات کرتا اس کے بارے میں پوچھتا۔ وہ اسے ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملی تھی۔ اور اب اسے جی بھر کر اس بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ آخر اس نے رش کم ہونے کا انتظار کیوں کیا۔ اسے تو یہی لگا تھا کہ وہ انشا کی دوست ہے اس لیے لیٹ ہی جائے گی مگر اسے غلط لگا۔ دو سال پہلے کی طرح وہ غائب ہو گئی تھی۔

چند دن بعد اخیار معمول کے مطابق ڈیوٹی پر تھا۔ ہوسپٹل کا راؤنڈ لگانے کے بعد وہ ویٹنگ ایریا کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اسے یوں لگا تھا کہ اس نے زونائیشہ کی جھلک دیکھی ہے۔ مگر وہ اس کا وہم ہی ثابت ہوا تھا۔ کیوں کہ وہ لڑکی زونائیشہ نہیں تھی۔ اپنے آفس میں جا کر بیٹھنے کے بعد اس نے سر کرسی کی پشت ٹکا دیا تھا۔

بس اسی بات کی کمی تھی۔ پہلے تو مجھے ایسے وہم نہیں ہوتے تھے اب وہ بھی ہونے لگے ہیں۔" وہ بے بسی سے سوچ کر رہ گیا تھا۔"

ہوسپٹل سے فارغ ہو کر جب وہ گھر پہنچا تھا تو گھر کی سبھی خواتین اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ فریش ہو کر اس نے کھایا تھا۔ اور اپنے بابا اور چچا کے ساتھ ٹی لاؤنج میں نیوز دیکھنے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ ساری خواتین وہی جمع ہو گئی تھیں۔ دادی نے اس کے سامنے پڑی ٹیبل پر چند تصویریں رکھی تھیں۔

ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو تم۔" دادی نے تصویروں کی جانب اشارے کرتے ہوئے کہا تھا۔"

کیوں دادی آپ مجھے میری من پسند کار دلانے والی ہیں؟" وہ نا سمجھ بنتے ہوئے تصویریں اٹھائے بغیر بولا تھا۔"

ابھی تو تم لڑکی پسند کرو۔ شادی کے بعد تمہیں تمہاری من پسند کار بھی دلا دوں گی۔" وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولی تھیں۔"

اخیار نے ٹیبل پر پڑی تصویریں اٹھائی تھیں۔ ایک ایک کر کے اس نے ساری تصویریں دیکھی تھی۔ اس کے لاشعور میں کہیں تھا کہ شاید ان تصویروں میں انشا کی دوست کی بھی تصویر ہو۔

جو تصویر مجھے پسند کرنی تھی وہ تو ان تصویروں میں ہے ہی نہیں۔" وہ مایوسی سے دھیمی آواز میں بولا تھا۔ "

بتاؤ کونسی اچھی لگی ہے تمہیں؟" فائقہ چچی نے انتہائی لاڈ سے پوچھا تھا۔"

چچی مجھے تو ساری اچھی لگی ہیں۔" وہ انتہائی معصومیت سے بولا تھا۔"

جب کہ اس کی بات سن کر منت اور باران نے بتیسی نکالی تھی جو دادی کی ایک گھوری پر اندر چلی گئی تھی۔

بیٹا اب سب کے ساتھ تو تمہاری شادی نہیں کرنی ہے۔ کسی ایک کا بتاؤ۔" اس کی ماں سمجھانے والے انداز میں بولی تھی۔"

امی سچ کہہ رہا ہوں ساری اچھی ہیں۔ یقین نہیں آتا تو آپ خود دیکھ لیں۔ سب کی ناک بھی انسانوں والی ہے، آنکھیں بھی سب کی " بالکل ٹھیک ہیں۔ کسی کے پیدائشی کٹے ہوئے ہونٹ بھی نہیں ہیں۔" وہ تصویروں پر تفصیلی انداز میں تجزیہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

جب کہ ماں، دادی اور چچی دانت پیس کر رہ گئی تھیں۔

امی آپ بھائی کی بات کا مطلب ہی نہیں سمجھی ہیں۔ وہ جو کہہ رہے ہیں ناں کہ انہیں سب پسند آئی ہیں اس کا مطلب ہے کہ انہیں " کوئی بھی پسند نہیں آئی۔" منت نے معاملہ حل کرتے ہوئے سمجھ داری سے وضاحت کی تھی۔

دادی ویسے منت کی بات کا یہ پہلو غور طلب ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔" وہ اس انداز میں بولا تھا جیسے خود تو وہ اس بات سے بالکل" واقف نہیں۔

اخیار ہم لوگوں سیریس ہیں۔" ماں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "

امی میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔ جہاں آپ سب نے اتنا انتظار کیا ہے وہاں تھوڑا سا انتظار اور کر لیں۔" اب کی بار وہ بولا تھا تو اس" کے لہجے کی سنجیدگی نے سب کو چپ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا تھا۔ اگلے دو تین دن میں وہ دادی کی بات بالکل بھول گیا تھا اسے ہسپتال سے لوٹے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ دادی اس کے کمرے میں آئی تھی۔

اخیار بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"دادی بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔"

جی دادی کہیں میں سن رہا ہوں۔"وہ اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ کو بند کرتے ہوئے بولا تھا۔"

بیٹا ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔جس کے ساتھ سب کچھ سانجھا ہو۔جس کے ساتھ اپنے درد سکھ" بانٹے جا سکیں جو ہمدرد ہو۔ایک ساتھی کی ضرورت تو انسان کو ہر عمر میں رہتی ہے۔"وہ بولتے ہوئے اسکے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

جی دادی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔انسان کو ہر عمر میں ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔آپ کی نظر میں کوئی ہے کیا؟وہ الجھتے" ہوئے پوچھنے لگا تھا اور دادی نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

ہاں بیٹا میری نظر میں ہے کوئی۔خاندان بھی بہت اچھا ہے۔تم بتاؤ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"وہ امید بھرے لہجے میں پوچھ رہی" تھیں۔

مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔آپ بابا اور چاچو سے اور باقی گھر والوں سے پوچھ لیں انہیں کوئی" اعتراض نہ ہو۔"اس کی بات سن کر ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو باقیوں کو کیا اعتراض ہو گا۔اور ویسے بھی جسے زندگی گزارنی ہے اسے مسئلہ نہیں ہے تو باقی کون" ہوتے اعتراض کرنے والے۔"وہ دبنگ انداز میں بولی تھیں۔

بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔زندگی آپ نے گزارنی ہے جب آپ کو اعتراض نہیں ہے تو باقیوں کو کیوں ہوں۔"اس کی بات سن کر" دادی نے محبت سے اس کے تھامے ہوئے ہاتھ ایک دم چھوڑے تھے۔اور ماتھے پر کئی بل ڈالے ہوئے بولی تھیں۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

یہی کہ ہم میں سے کوئی بھی آپ کی شادی پر اعتراض نہیں کرے گا۔"زندگی میں پہلی بار دادی کو اخیار کی مسکراہٹ زہر لگی تھی۔"

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔پتر جی میں اپنی نہیں تمہاری شادی کی بات کر رہی تھی۔اور تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس عمر میں شادی" کروں گی۔"وہ ماتھے پر بل ڈالے بولی تھیں۔

آپ جو کہہ رہی تھیں کہ ہر عمر میں ساتھی کی ضرورت ہوتی تو مجھے لگا آپ اپنی بات کر رہیں۔"اخیار نے انتہائی معصومیت سے"

جواب دیا تھا جبکہ دادی اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

چلو اب تو پتا چل گیا ناں کہ تمہاری شادی کی بات ہو رہی ہے تو بتاؤ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟" آج دادی اسے بخشنے کے موڈ " میں بالکل نہیں تھی۔

۔ دادی میں ابھی نہیں کر سکتا شادی۔" وہ بیچارگی سے بولا تھا "

وجہ؟" دادی نے خطرناک تیور سے پوچھا تھا۔ "

دادی آپ سمجھنے کی کوشش کریں ناں۔۔" وہ بیچارگی سے بولا تھا۔"

تم سمجھانے کی کوشش کرو گے تو سمجھوں گی۔" دادی ایک بار پھر سے محبت سے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تھیں۔ "

دادی میں۔۔" وہ بولتے بولتے بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔ "

تم کسی سے محبت کرتے ہو؟" دادی نے اس کا ادھورا جملہ سوالیہ انداز میں پورا کیا تھا۔"

محبت کا تو نہیں پتا لیکن اس کے علاوہ کسی کا خیال ہی نہیں آتا ہے۔ وہ نظر نہیں آتی اور کسی اور کی جانب نظر اٹھتی ہی نہیں اور اگر " غلطی سے اٹھ بھی جائے تو ٹکتی نہیں ہے۔ ہم دونوں کے درمیان ناں کوئی فضول کا وعدہ نہیں ہے اور بھلا کوئی وعدہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اسے تو میرے جذبات کا پتا تک نہیں ہے اور مجھے بس اتنا پتا ہے کہ زندگی صرف اسے کے ساتھ گزارنے کی چاہ ہے اور اگر اللہ کا ارادہ اسے میرے نصیب میں لکھنے کا نہیں ہے تو یہ زندگی اس کے بغیر تو گزاری جا سکتی ہے لیکن کسی اور کے ساتھ نہیں گزاری جا سکتی۔" وہ دادی کی گود میں سر رکھتے ہوئے مدھم آواز میں بولا تھا۔

کون ہے وہ؟" دادی نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔ "

ان کے پوچھنے پر اخیار نے بغیر کچھ چھپائے سب کچھ انہیں بتا دیا تھا۔

بیٹا جی اس طرح تو تم ہو گئے اپنی محبت میں کامیاب۔ ایسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے تو کیسے ملے گی وہ۔ پہلے وہ تم سے ملتی تھی " اب تمہیں اس سے ملنا چاہیے۔" دادی طنز کرتے ہوئے آخر پر اسے نصیحت کر رہی تھیں۔

دادی آپ بھی ناں۔ اب آپ ہی بتائیں میں دعائیں کرنے کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں۔ ساری صورتحال تو آپ کے سامنے ہے۔" وہ " ہنوز ان کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

دادی ایک بات تو بتائیں؟ جب دادا آپ سے ملے تھے تو انہیں دیکھتے ہی آپ کو ان سے محبت ہو گئی تھی؟"اس کی بات سن کر " دادی کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔اور کمرے کے پاس سے گزرتی منت اور باران کے قدم تھمے تھے۔وہ میکرونی کی پلیٹ ہاتھ میں لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔اخیار انہیں دیکھ کر مسکرایا تھا۔

دادی ہمیں بھی سننا ہے آپ کی اور دادا کی محبت کا قصہ۔"وہ دونوں کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ "

پہلے کتنی بار سن چکی ہو تم دونوں۔"دادی انہیں یاد دلاتے ہوئے بولی تھی۔"

لیکن دادی ہر بار ہمیں کوئی نئی بات پتا چلتی ہے جو آپ نے پہلے نہیں بتائی ہوتی۔"وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے پھر دادی کی" جانب دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

اچھا ٹھیک ہے سن لو تم دونوں بھی۔لیکن آدھی میکرونی میں کھاؤں گی۔"دادی نے ان دونوں کے درمیان پڑی پلیٹ کو دیکھتے" ہوئے کہا تھا۔

منت اور باران دونوں کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔

دادی یہ میکرونی والا کوئی مذاق نہیں ہے۔"منت تڑخ کر بولی تھی۔"

اچھا پھر وہ سامنا دروازہ ہے۔دونوں چلتی پھرتی نظر آؤ یہاں سے۔"وہ رعب سے بولیں تھیں جب کہ دادی جانتی تھی کہ کھانے " کے معاملے میں وہ دونوں ان کے کسی رعب کا کوئی اثر نہیں لیتی تھیں۔

ٹھیک ہے پہلے قصہ سنائیں پھر آدھی پلیٹ آپ کی۔"باران بادل نخواستہ بولی تھی۔"

اخیار ان کی بحث سن کر مسکرا رہا تھا۔

یہ ہوئی ناں بات۔"دادی کی آنکھیں چمکی تھیں۔"

دادی اب آپ مجھے بتائیں ناں جو میں نے پوچھا ہے۔"ان کا مسئلہ حل ہوتا دیکھ کر اخیار نے دادی کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔"

"یہ معمہ تو میں آج تک حل نہیں کر سکی کہ مجھے ان سے محبت کب ہوئی۔ "

دادی مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کو ان سے پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی۔"منت نے میکرونی کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے اپنا خیال پیش کیا" تھا۔

جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے ناں تو صرف پہلی نظر پر نہیں بلکہ ہر نظر پر نئے سرے سے محبت کا احساس ہوتا ہے۔تب پہلی نظر " کی محبت بے معنی سی ہو جاتی ہے۔اور ویسے بھی کسی سے محبت کب ہوئی یہ کب یاد رہتا ہے یاد تو بس یہ رہتا ہے کہ کسی سے محبت ہے۔ کب سے ہے، کیوں ہے، کتنی ہے اس کا حساب کتاب نہیں رکھا جاتا۔محبت ریاضی تھوڑی ہے جس میں حساب کتاب کیا جائے۔" دادی ان تینوں کو سمجھاتے ہوئے بولی تھی۔اخیار ان کی بات سن کر خاصہ متاثر ہوا تھا۔منت اور باران کے چہروں سے بھی لگ رہا تھا کہ دادی سے سارے اختلاف ایک طرف لیکن ان کی کچھ باتوں سے وہ واقعی بہت متاثر ہوتی تھیں۔اور اب بھی وہ خود کو متاثر ہونے سے روک نہیں پائی تھیں۔

دادی مجھے آپ کی سمجھ نہیں آتی اور نہ ہی آپ کی اور دادا کی کہانی کی۔جب جب میں سنتا ہوں آپ کے بیان بدلے ہوتے ہیں کبھی" آپ بتاتی ہیں کہ آپ کی لو میرج ہوئی تھی اور کبھی آپ کہتی ہیں کہ آپ کی ارینج میرج تھی۔آج مجھے تفصیل سے سمجھائیں کہ آخر ماجرا کیا ہے۔"اخیار کے سوال پر باران اور منت دونوں کھل کر ہنسی تھیں۔وہ دونوں بھی ایک عرصے تک یہ معمہ حل کرنے میں ناکام رہی تھیں کہ آخر دادا دادی کی لو میرج تھی یا ارینج میرج۔لیکن اب وہ اچھے سے اس داستان سے واقف تھیں مگر پھر بھی وہ دوبارہ سے دادی کے منہ سے سننا چاہتی تھیں۔

تم اس لیے الجھے ہو کیوں کہ تم اس بات پر اٹکے ہو کہ تمہارے دادا اور میری لو میرج تھی یا ارینج میرج۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ" ہماری لو میرج بھی تھی اور ارینج میرج بھی۔اب میں تمہیں تفصیل سے سمجھاتی ہوں۔" دادی ابھی تک محبت سے اس کے بالوں کے انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

تمہارے دادا اور میں الگ الگ گھرانوں سے تھے۔لیکن گھر کے بڑوں کے درمیان جان پہچان تھی۔اسی لیے بڑوں نے ہم دونوں " کا آپس میں رشتہ طے کر دیا تھا۔تب تصویروں کا اتنا زمانہ نہیں تھا۔نہ تمہارے دادا نے مجھے دیکھا ہوا تھا اور نہ ہی میں نے انہیں دیکھ رکھا تھا۔مجھے اتنا پتا تھا کہ وہ کسی یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور انہیں بھی بس یہی پتا تھا کہ میں بھی کسی یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں۔ ایک سال تک ہم کو لیگ رہے۔

اور ہم دونوں کو ہی نہیں پتا تھا کہ ہمارا رشتہ طے ہوا ہوا ہے۔تمہارے دادا دل کی ہر بات ماننے والے تھے۔جب انہوں نے دیکھا کہ دل ان کی بات نہیں مان رہا تو ماں باپ کے سامنے ڈٹ گئے کہ صرف مجھ سے ہی شادی کریں گے۔اور اپنی منگیتر سے یعنی مجھ سے ہی

رشتہ توڑنے کو بھی کہہ دیا۔ وہ تو شکر ہے کہ میرے مرحوم ساس سسر نے بڑی منتوں ترلوں کے بعد انہیں اس بات پر راضی کیا کہ مجھے بس ایک نظر دیکھ لیں۔ میری مرحومہ ساس کو پورا یقین تھا کہ مجھے دیکھنے کے بعد وہ یونیورسٹی والی ڈائن کو بھول جائیں گے۔ انہیں یہ نہیں پتا تھا کہ یونیورسٹی والی ڈائن میں ہی ہوں۔ خیر تو انھوں نے خیرات کی تو میرے سب گھر والوں کو بلایا اور زبردستی مجھے بھی ساتھ لانے کو کہا۔ جب میں تمہارے دادا کے گھر گئی تو انھوں نے وہاں مجھے دیکھ لیا۔ لیکن بدقسمتی سے میں انہیں نہیں دیکھ پائی یوں کہ ایک مہینے بعد ہماری شادی ہو گئی۔ اور نکاح کے بعد مجھے پتا چلا کہ تھی۔ اور میری مرحومہ ساس کو تو پہلے ہی یقین تھا تو ہوا کچھ جو میرے دل میں تھا وہی میرے نصیب میں تھا۔ تمہارے دادا مجھے اکثر یونیورسٹی والی ڈائن کہہ کر تنگ کیا کرتے تھے اور میری مرحومہ ساس بھی اپنے مرنے سے پہلے تک میرے سامنے میری اتنی برائیاں کیا کرتی تھی کہ کبھی کبھار تو مجھے اپنا آپ واقعی چڑیل لگتا تھا۔ لیکن نہ کبھی تمہارے دادا نے گھر پر کسی کو یہ بات بتائی تھی کہ میں یونیورسٹی میں ان کی کولیگ تھی نہ میں نے کبھی ذکر کیا تھا۔ تو اس طرح ہماری لو میرج بھی تھی اور ارینج میرج بھی۔" دادی بیتے وقت کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

"لیکن دادی اگر دادا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو؟ آپ تو دادا سے محبت کرتی تھیں پھر کیا کرتی آپ؟" اخیار نے سنجیدگی سے ان سے سوال کیا تھا وہ ان سے جواب چاہتا تھا۔ منت اور باران بھی ان کے جواب کی منتظر تھیں۔

"برخوردار جو دل ایک دوسرے سے جوڑ سکتا ہے اس کے لیے نصیب ایک دوسرے سے جوڑنا بھلا مشکل ہے کیا؟ میں جانتی تھی کہ اگر اللہ نے اس کی محبت میرے دل میں ڈالی ہے تو اسے میرے نصیب میں بھی ضرور لکھے گا۔" دادی انتہائی یقین سے بولی تھیں۔

اسی لیے آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہیں؟" اخیار مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تھا۔"

"کس نے کہا میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی تھی؟ کچھ بھی بغیر محنت اور کوشش کے نہیں ملتا۔ کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہمیں اپنا نصیب خود بنانا پڑتا ہے۔ بے شک ہر چیز پہلے لکھی جا چکی ہے۔ ہم سب کی کہانیوں بہت پہلے لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہماری کہانی میں کہیں یہ لکھ کر خانہ خالی چھوڑ دیا گیا ہو کہ اس بندے کو وہی ملے گا جو وہ اللہ سے مانگے گا۔ اور اگر خانہ خالی نہیں بھی کچھ لکھا ہوا بھی ہے پھر بھی تم نے سنا نہیں کہ دعائیں نصیب بدل دیتی ہیں۔ یقین مانو دعائیں واقعی نصیب بدل دیتی ہیں۔ دعائیں ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہیں۔" دادی اخیار کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں۔

"لیکن پھر یہ ہیر رانجھا، سسی پنو، سوہنی ماہیوال، شیریں فرہاد، یہ سب کیوں نہیں ملے؟ "

اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ لوگ واقعی وجود رکھتے تھے۔ اور ان کے قصے بھی بالکل درست تھے اور ابھی تک سب کچھ ویسے " ہی بیان کیا جاتا ہے جیسا ان کی زندگیوں میں ہوا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود ہی نہ ہو۔ اور اگر ہے بھی تو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوک داستانیں نسل در نسل چلتے ہوئے اپنا اصل رنگ کھو چکی ہوں۔

لیکن دادی وہ ان کے مزار اور وہ۔۔"منت ابھی دلیل سے انہیں قائل کرنے ہی لگی تھی کہ دادی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی" تھی۔

"بھئی میں نہیں مانتی ان قصوں کو کوئی زبردستی ہے کیا؟"

اصل میں میں اب دادی کو دلیل دینے لگی ہوں تو دادی میری دلیل سے کیسے مان سکتی ہیں۔ ہونہہ۔۔"منت کی بات سن کر دادی " سمیت اخیار اور باران دونوں مسکرائے تھے۔

جب کہ میکرونی کی خالی پلیٹ دیکھ کر دادی کے ہونٹ فوراً سکڑے تھے۔

دادی سچ میں پتا نہیں چلا۔ آپ کی باتوں میں ہم دونوں اس قدر کھو گئی تھیں کہ ہمیں پتا ہی نہیں چلا اور ہم نے ساری میکرونی کھا " لی۔"وہ دونوں انتہائی معصومیت سے بولی تھیں۔

چلو کوئی بات نہیں آجاؤ کچن میں۔"دادی نے آرام سے دونوں کو کچن کا دعوت نامہ دیا تھا۔"

دادی۔۔"وہ دونوں احتجاجاً بولیں تھیں۔ "

ٹھیک ہے۔ ہم ابھی دادی کو میکرونی بنا دیتے ہیں۔ ہم نہیں بنا کے دیں گے تو آخر کون بنا کے دے گا۔ چلو آؤ باران۔"منت کا ایک " دم بدلتا لہجہ دیکھ کر دادی نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا تھا۔

اخیار انہیں ان کے حال پر چھوڑ تا بیڈ پر لیٹ گیا تھا جب کہ وہ دادی پوتی کچن کی جانب چل دی تھیں۔

دادی آرام سے کچن میں کرسی پر بیٹھ کر دونوں کی حرکات وسکنات ملاحظہ فرما رہی تھیں۔

دادی آپ کو پتا ہے ہماری کلاس کہ ایک لڑکی کی پہلے سمیسٹر کی سی جی پی تین اعشاریہ چار تھی اور اس کی دادی نے اسے اس خوشی " میں کار لے کر دی ہے۔ میں نے تو اسے بڑے فخر سے کہا کہ باران اور میری دادی بہت اچھی ہے۔ اور ہم تو دونوں الگ الگ کار لینے

کی بجائی ایک ہی کار لیں گی دادی سے۔"منت دادی کے سامنے میکرونی کی پلیٹ رکھتے ہوئے انتہائی ادب سے بولی تھی۔

پلیٹ کو اپنی جانب کھسکاتے ہوئے دادی کے ہاتھ تھمے تھے۔انہیں ایک پل میں فرمانبر داری کی ساری وجہ سمجھ آگئی تھی۔

دو دن بعد تم لوگوں کی یونیورسٹی میں جو فنکشن ہے میں اس میں انوائیٹڈ ہوں۔مجھے ضرور ملوانا اس بچی سے۔مبارک باد دوں گی "

اسے۔"دادی سکون سے میکرونی کا چیچ منہ میں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

لیکن آپ کیوں انوائیٹڈ ہیں؟"وہ دونوں یک زبان ہو کر بولیں تھیں۔"

تم دونوں بھول رہی ہو کہ میں اسی یونیورسٹی میں لیکچرار،ایچ اوڈی اور پھر وی سی رہی ہوں۔ایسے میں میرا انوائیٹڈ ہونا عام سی بات "

ہے۔"وہ آرام سے انہیں یاد دلاتے ہوئے بولی تھیں۔

مجھے بچی سے ملوانا مت بھولنا۔"وہ پلیٹ اٹھاتے ہوئے کچن سے نکل گئی تھی۔"

منت اور باران نے بیچارگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

اب سوچ لو کہاں سے وہ کلاس فیلولانی ہے جس کی دادی نے اسے تین اعشاریہ چار سی جی پی پر گاڑی گفٹ کی ہے۔"باران کی بات "

پر منت نے بیچارگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ان دونوں نے وہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کیا تھا کہ وہ گاڑی پانے کے لیے دادی سے سارے اختلافات بھول جائیں گی۔

دو دن بعد دادی ان کے ساتھ ہی یونیورسٹی گئی تھی۔وہاں دادی کو پروٹوکول ملتا دیکھ کر وہ دونوں سوچ رہی تھیں کہ وہ دادی کو بہت ہلکے میں لیتی تھیں۔اگر ان کی دادی سلیبرٹی نہیں تھی تو سلیبرٹی سے کم بھی نہیں تھی۔بس شکر کی بات یہی تھی کہ دادی کو وہ گاڑی والی لڑکی یاد نہیں آئی تھی جس کو انہوں نے مبارک باد دینی تھی۔جب وہ واپس آنے لگی تھیں تو اس کی ایک کلاس فیلو نے دادی کو ان کے ساتھ دیکھ کر بڑی پرجوشی سے پوچھا تھا۔

یہ آپ کی امی ہے؟"

نہیں یہ میرے ابو کی امی ہیں۔"منت نے حتی الامکان دادی کہنے سے پرہیز کیا تھا۔ "

مگر منت اور باران کے لیے افسوس کی بات یہی تھی کہ دادی پھر بھی خوش نہیں ہوئی تھی نہ ہی انہیں گاڑی دلانے کی امید دلائی تھی۔دادی سے سارے اختلافات ختم کرنے کا ان دونوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔

دن پر لگائے گزر رہے تھے۔ زونائیشہ کی وہی روٹین تھی۔ سکول جانا، امی کو ایکسر سائز کروانا ان کا خیال رکھنا، دادا کو وقت پر دوا دینا۔ ڈوبتے سورج کو با قاعدگی سے دیکھنا، گاؤں کے مناظر دیکھ کر اپنی تکالیف بھلانے کی کوشش کرنا اور اپنے پسندیدہ سکھ چین کے سوکھے ہوئے پودے کے ساتھ وقت بتانا۔ شعبان کا چاند بالکل گھٹ چکا تھا۔ امید تھی کہ دو تین دنوں بعد رمضان کا چاند نظر آ جانا تھا۔

اس دن وہ تمام کام کر کے سکھ چین کے پاس بیٹھی تھی کہ ساتھ والے گھر سے بچی نمک مانگنے آئی تھی۔ مغرب کی اذان کا وقت ہونے والا تھا۔ وہ اس بچی کو نمک دینے کے لیے ابھی ڈبی سے نمک نکال ہی رہی تھی کہ چھوٹی چچی نے چھپٹنے والے انداز میں اس سے ڈبی چھین لی تھی۔ اس نے حیرت سے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

یہ کیا کر رہی تھی تم؟ مغرب کے وقت اسے نمک دینے لگی تھی۔" ان کا لہجہ ایسا تھا گویا وہ گناہ کبیرہ کرنے لگی تھی۔"

"چچی مغرب کے بعد دینے لگی ہوں تو اس سے کیا ہو جانا ہے بھلا۔ نمک ہی تو ہے۔"

بی بی تم شہرن ہو ہمیں پتا ہے۔ لیکن ہمارے لیے نا ختم ہونے والے مسائل مت کھڑے کرو۔ اس وقت نمک نہیں دیتے ہیں ورنہ " گھر میں کبھی برکت نہیں آتی۔" وہ ڈبی وہیں رکھ کر باہر صحن میں کھڑی بچی کو جھوٹ بولنے چلی گئی تھیں کہ ان کے گھر بھی نمک ختم "ہو چکا ہے۔

زونائیشہ کا دل چاہ رہا تھا وہ ان سے پوچھے کہ انہوں نے اس کے لیے کبھی حل نہ ہونے والے مسائل کھڑے کیے تھے یا وہ ان کے " لیے حل نہ ہونے والے مسائل کھڑے کر رہی تھی۔ اور نمک والی منطق پر افسوس ہی کرتی رہ گئی تھی۔ مگر وہاں رہتے رہتے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ایسی کئی توہمات وہاں بالکل عام تھیں۔ جیسے کہ بچے کے اوپر سے گزر جاؤ تو اس کا قد بڑا نہیں ہوتا، رات کو بلیاں گھر میں لڑائی کریں تو کچھ برا ہونے والا ہوتا ہے، شام کو کمروں کے دروازے بند نہ کیے جائیں تو گھر سے برکت نکل جاتی ہے، اگر کانچ ٹوٹ جائے تو وہ اچھا نہیں ہوتا، جلتے چولہے میں پانی ڈال دیا جائے تو قرضہ چڑھتا ہے، شام کے بعد فرش پر کسی چارپائی کے پاس نیچے

بیٹھ جاؤ تو کوئی مرنے والا ہے، کوا دیوار پر بیٹھ کر صبح صبح بولے تو کوئی مہمان گھر میں آنے والا ہوتا ہے، چابیاں بجائی جائیں تو گھر میں لڑائی ہوتی ہے، کسی اچھے کام کے لیے جانا ہو تو دہی کھا کر جانا چاہیے اور اگر پیچھے سے آواز دے دے تو جس کام کے لیے جا رہے ہو وہ نہیں ہوتا، اور ایسی ہی کئی اور توہمات۔

بچی کے جانے کے بعد وہ دوبارہ سے اس پودے کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

پودے نے انتہائی شفقت سے اسے دیکھا اور اس کی سوچ پڑھ کر افسردہ انداز میں مسکرایا تھا۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ امی کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھیں۔ زونائیشہ نے انہیں تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا وہ کمرے سے باہر نکلی تھی کہ منجھلے چچا نے اسے آواز دی تھی۔

کہیے چچا کیوں بلایا ہے۔" وہ جب سے یہاں مستقل طور پر آئی تھی تب سے وہ چاہ کر بھی ان کے لیے اپنے لہجے میں عزت اور احترام" شامل نہیں کر پاتی تھی جو پہلے ہمیشہ اس کے لہجے کا حصہ ہوتے تھے۔

بیٹا تمہیں تنخواہ مل گئی ہے؟" وہ مٹھاس بھرے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔"

جی چچا مل گئی ہے۔ اور تمام پیسے خرچ بھی ہو گئے ہیں۔ دادا کی دوا لینی تھی۔ امی کی دوائی بھی لینی تھی۔ کچھ اور ضروریات بھی تھیں۔" پیسے ختم ہو گئے۔" وہ سپاٹ انداز میں بولی تھی۔

چچا اس کا منہ دیکھ کر رہ گئے تھے۔

وہ ان کے کمرے سے نکل رہی تھی کہ دادا نے دیکھ لیا تھا اور اشارے سے اپنی جانب بلایا تھا۔

" کیا کہہ رہے تھے تمہارے چچا؟ "

کیا کہنا ہے انھوں نے۔ تنخواہ کا پوچھ رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح میں نے بھی کہہ دیا ہے کہ خرچ ہو گئے ہیں پیسے۔ جانوروں کی " کھالیں اتارنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے انہیں کہ ایک بار ہماری کھال اتارنے کے بعد انہیں لگتا ہے یہ ہر بار اتار لیں گے۔" وہ زہرخند لہجے میں بولی تھی۔

دادا اسکی بات سن کر خاموش رہے تھے۔

رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا۔ راحت ولا میں سبھی لوگ رمضان کو بہترین انداز میں گزارنے میں مگن تھے۔ دادی نے ہر رمضان کی طرح اس رمضان کی میں بھی اعلان کر دیا تھا کہ افطاری تمام لوگ گھر پر اکٹھے کیا کریں گے۔ ان کے اس حکم پر سبھی عمل پیرا تھے۔ سوائے اخیار کے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ وہ باقی ڈاکٹرز کے ساتھ او۔ ٹی میں ہوتا تھا اور افطاری کا ٹائم ہو جاتا تھا۔ لیکن آج وہ جلدی پہنچ آیا تھا اور سب کے ساتھ افطاری کی تھی۔ افطاری سے کچھ دیر بعد ماں اس کے کمرے میں آئی تھی۔

اخیار بیٹا میں کل کینیڈا جا رہی ہوں۔ تمہاری چھوٹی خالہ کا آپریٹ ہے۔ تم تو جانتے ہو وہ وہاں اکیلی رہتی ہے۔ تمہارے انکل کے" لیے بہت مشکل ہو جائے گا سب کچھ اکیلے سنبھالنا۔ اور میں خود بھی اس مشکل وقت میں تمہاری خالہ کے ساتھ ہونا چاہتی ہوں۔ بس تم سے مجھے ایک ریکوسٹ کرنی تھی کہ تم ایک بار ٹائم نکال کر سکول کا چکر ضرور لگا آنا۔ کافی دن ہو گئے ہیں میں نہیں گئی ہوں۔ رمضان کی وجہ سے ہے تو بند لیکن پھر بھی تم دیکھ آنا کہ گارڈ وغیرہ اپنی ڈیوٹی بھی دے رہے ہیں یا نہیں۔ چند دنوں تک میں آجاؤں "گی پھر تو پہلے کی طرح میں سنبھال لوں گی۔

وہ انہیں انکار کرنا چاہتا تھا لیکن وہ جانتا تھا اس کے علاوہ کسی نے بھی نہیں جانا تھا۔ نہ بابا نے نہ ہی چچا نے۔ اسنے سکول بنوا کے دیا تھا تو ایک دن کی قربانی بھی اسے ہی دینے تھی۔

اگلے ایک ہفتے تک وہ بالکل وقت نہیں نکال سکا تھا۔ آج اسے ہسپتال میں تھوڑی ریلیکسیشن ملی تھی تو وہ ہسپتال سے سیدھا سکول کے لیے نکل گیا تھا۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسے پھر سے زونائیشہ کا خیال آیا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر ساتھ والی سیٹ کی جانب دیکھا جو کہ خالی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ آخر وہ لڑکی اس کے دماغ سے اترتی کیوں نہیں تھی۔ وہ انہیں سوچوں میں گم سکول پہنچا تھا مگر سکول کی حالت کافی نازک تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اور اندر موجود بکریاں مزے سے گراونڈ میں لگے گھاس کو کھا رہی تھی۔ کیاریوں میں لگے پھولوں کے پودے پر شاید وہ پہلے پارٹی کر چکی تھیں اس لیے ان کے صرف تنے ہی بچے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اخیار نے با مشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔ گارڈ کو گھر سے بلانے اور اس کی اچھی خاصی کلاس لینے میں کافی وقت ضائع ہو گیا تھا۔ وہ تب تک واپسی کے لیے گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا جب تک گارڈ نے اس کے سامنے سکول کو خالی کر کے تالا نہیں لگا دیا تھا۔

وہ ابھی گاؤں سے نکلا ہی نہیں تھا کہ افطاری کا ٹائم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک دکان کے سامنے گاڑی روکی تھی۔ ایک ایمر جنسی کی وجہ سے اسے رات کو ہسپتال جانا پڑ گیا تھا اور سحری بھی وہیں کرنا پڑی تھی۔ نتیجتاً وہ اچھے سے سحری نہیں کر پایا تھا۔ ٹائم کم ہونے کی وجہ سے اس نے سحری میں تین کھجوریں اور پانی کا ایک گلاس پیا تھا جس کی وجہ سے اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ اور اب اس نے بھوک مٹانے کے لیے صحت اور صفائی کے سب اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک دکان کے پاس گاڑی روکی تھی اور دکان والے سے سموسوں کی پلیٹ بھی لی تھی اور ساتھ ہی ٹھنڈا جوس بھی لے لیا تھا۔

نیچے اترنے کی بجائے وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہی کھا رہا تھا۔ اے سی آن ہونے کی وجہ سے گاڑی کے شیشے بند تھے۔ مگر اچانک اس کی نظر ونڈ اسکرین سے پار نظر آتے منظر پر پڑی تھی۔ چھوٹی سی سڑک سے چند فرلانگ دور تندور کے پاس وہ یقیناً زونائیشہ ہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ جس سے ایک لقمہ توڑ کر اس نے منہ میں ڈالا تھا۔

اسے بھی روزہ تھا۔ اور اس نے روٹی کا ٹکرا منہ میں ڈال کر روزہ افطار کیا تھا۔

زیبا مائی اب تو مجھے روٹیاں لگا دیں۔ اب تو روزہ بھی افطار ہو گیا ہے۔ دادا اور امی کو روٹی دینی ہے میں نے۔ "وہ روہانسی ہوتی بولی تھی۔

اغیار اس کی آواز تو نہیں سن سکا تھا مگر اس کے چہرے کے تاثرات سے اسے کچھ کچھ اندازہ ہوا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ یہ واقعی اس کا وہم نہیں تھا۔ لیکن اسے وہاں دیکھ کر وہ شدید حیرت کا شکار ہو رہا تھا۔ اسے حیرت کا مزید جھٹکا تب لگا تھا جب اس نے دیکھا کہ وہ تندور پر روٹیاں لگانے والی عورت کو آٹے کے پیڑے بنا کر دے رہی تھی۔

یہ وہ والی لڑکی تو نہیں تھی جو اس سے دو سال پہلے کئی بار ٹکرا کر اسے نہ جانے کیا کیا بنا چکی تھی اور نہ ہی وہ لڑکی لگ رہی تھی جو اسے شادی پر ملی تھی۔ کہاں وہ انتہائی نفاست سے چھری کانٹے کے ساتھ کھانا کھانے والی لڑکی اور کہاں یہ تندور کی روٹی منہ میں ڈال کر روزہ کھولنے والی لڑکی۔ اُس زونائیشہ کو دیکھ کر اسے گمان گزرتا تھا کہ وہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اس کے سامنے کھڑی زونائیشہ تو اس کے بالکل الٹ تھی۔ اتنے سال جو لڑکی اس کی سوچوں کا محور رہی تھی وہ آج نظر بھی آئی تھی تو کس حالت میں۔ جب وہ سامنے نہیں ہوتی تھی تو اس کے وہم حقیقت لگتے تھے اور اب وہ سامنے تھی تو اس کی حقیقت وہم لگ رہی تھی۔ اغیار نے خود کو بڑی مشکلوں سے حیرت سے نکالا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ گاڑی سے اتر کر اس کے پاس جا کر اس سے بات کرے۔ مگر اس نے

بڑی مشکلوں سے خود کو روکا تھا۔ وہ اتنا تو جانتا تھا کہ وہ جس جگہ موجود تھا وہاں کسی لڑکے کا کسی لڑکی سے بات کرنا بالکل مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی آخر وہ اس علاقے میں اس حال میں پہنچی کیسے۔ اس نے تب تک وہاں سے گاڑی نہیں ہٹائی تھی جب تک وہ اس تندور سے چلی نہیں گئی تھی۔ گاڑی آگے بڑھانے پر وہ اتنا تو طے کر چکا تھا کہ چاہے جو بھی ہو وہ اب انشا سے اس بارے میں بات ضرور کرے گا۔ کہیں دل کو یہ تسلی بھی ملی تھی کہ اب کم از کم وہ پہلے کی طرح گمنام نہیں رہی تھی جس کے بارے میں اسے کچھ بھی نہیں پتا تھا۔

گھر آتے ہی زونائیشہ نے جلدی جلدی دادا اور امی کو کھانا دیا تھا۔ اور پھر خود بھی کھانا کھا کر برتن سمیٹے تھے۔ اور معمول کی طرح امی کو وضو کروانے کے بعد مغرب کی نماز ادا کی تھی۔ وہ جائے نماز کو تہہ لگاتے ہوئے اٹھی ہی تھی کہ تائی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

زونائیشہ نے حجاب کھولتے ہوئے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

بیٹا مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ اگر تم ادھار دے دو تو میں جلد ہی تمہیں لوٹا دوں گی۔" وہ چہرے پر مسکینیت طاری کرتے" ہوئے بولی تھی۔ زونائیشہ نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی تھی

تائی میرے پاس جو پیسے تھے وہ ختم ہو گئے ہیں۔ امی اور دادا کی دوائی لینی تھی اور چند دوسری ضروریات بھی تھیں۔ سارے پیسے" خرچ ہو گئے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی تھی۔

اس کی بات سن کر تائی نے اپنی مجبوریوں کے اور دو چار قصے بھی سنائے تھے کہ شاید وہ ترس کھا کر انہیں پیسے دے دے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا تھا کہ اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تو خاموشی سے اُٹھ کر چلی گئی تھیں۔

امی نے خاموشی سے ساری کارروائی دیکھی تھی۔

انہیں لگتا ہے کہ مجھے شاید لاکھوں میں تنخواہ ملتی ہے۔ اور میں اب بھی ان سے ہمدردی کروں گی۔ جب کہ انہی لوگوں کی وجہ سے " میرے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ مجھے خود پر ترس آتا ہے۔" وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے کے کڑواہٹ کو چھپا نہیں پائی تھی۔

ماں خاموشی سے سنتی رہی تھیں۔ وہ کم گو مزاج کی حامل تھیں۔ اور معذور ہونے کے بعد اور گاؤں آنے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ

کم گو ہو گئی تھیں۔ اگر انکا دل کرتا تھا تو زونائیشہ سے کوئی بات کر لیتی تھیں۔ ورنہ وہ بہت کم زونائیشہ کی کسی بات کا جواب دیا کرتی تھیں۔

اخیار نے ایک بار انشا کو کال کی تھی کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے لیکن وہ اپنی نند کو ملنے ملیشیا گئی ہوئی تھی۔ اخیار فون پر بات کرنے کی بجائے تسلی سے بیٹھ کر بات کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں تک انشا نے واپس آ جانا تھا اس لیے اسنے سوچا تھا اس کے واپس آنے پر ہی اس سے بات کرے گا۔ رمضان کا مہینہ اختتام کو پہنچ گیا تھا۔ اور عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔

عید والے دن وہ عید نماز پڑھ کر آیا تھا تو ہمیشہ کی طرح اس نے عید ملنے کے بعد منت اور باران کو عیدی تھی۔ اور گھر میں موجود ملازمین کو بھی عیدی تھی۔ سب لوگ گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا رہے تھے اور وہ ان کے پاس سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کھول کر اس نے باہر لان کا منظر دیکھا تھا۔ تمتاتی دھوپ کی وجہ سے لان میں لگے پھولوں کے رنگ چمک رہے تھے ۔ اسے کرب زدہ مسکراہٹ والی لڑکی یاد آئی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے سامنے تندور والا منظر گھوما تھا

زونائیشہ نے دادا کو نیا سوٹ استری کر دیا تھا۔ انہوں نے پہلے تو پہننے سے انکار کر دیا تھا مگر پھر زونائیشہ کی ضد سے ہار مانتے ہوئے انہوں نے وہ سوٹ پہن لیا تھا۔ امی نے اس کے کہنے پر چپ چاپ نیا سوٹ پہن لیا تھا۔ اور ہمیشہ کی طرح کتاب پڑھنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ کتابیں انکی واحد پناہ گاہ تھیں۔ انہی سے وہ اپنے سارے راز بانٹتی تھیں۔ اور وہی کتابیں انہیں تسلیاں دلاسے دیتی تھیں۔ تائی رات کو ہی اپنے میکے چلی گئی تھی۔ چھوٹی چچی نے بھی صبح سویرے اپنا سامان باندھا تھا اور میکے روانہ ہو گئی تھی۔ منجھلی چچی بھی جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

ان سب کے جانے کے بعد زونائیشہ سکھ چین کے پودے کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ دادا اپنے کمرے میں سو رہے تھے اور امی کتاب پڑھنے میں مصروف تھیں۔ انشا نے اسے کال کی تھی تھوڑی گپ شپ کے بعد کال کٹ گئی تھی۔ ایسے میں اسے اپنے پسندیدہ سکھ

چین کے ساتھ ہی وقت گزارنا تھا۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ بابا کے فوت ہونے سے پہلے اس کی کوئی عید ایسی نہیں گزری تھی جب اس نے کبھی اپنے ہاتھوں پر مہندی نہ لگائی ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ عید کے لیے ایکسائیٹڈ نہ ہو۔ اور سب سے زیادہ خوشی اسے گاؤں آنے کی ہوتی تھی۔ تب تو کوئی چچی یا تائی اپنے میکے نہیں جاتی تھی۔ اور اب اس گاؤں میں رہتے ہوئے اس کی ہر عید سکھ چین پودے کے ساتھ گزرتی تھی۔

اس نے آنکھیں اٹھا کر سکھ چین کی خشک شاخوں کو دیکھتے ہوئے ان کے سامنے یہ اقرار کرنا چاہا تھا کہ

وہ آہستہ آہستہ سیکھ رہی ہے کہ انسان ہونے کا آخر کیا مطلب ہوتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ سیکھ رہی ہے کہ اپنے ماضی کو کیسے معاف" کرتے ہیں، کیسے یہ قبول کرتے ہیں کہ بعض اوقات خوبصورت چیزوں کا اختتام ہونا ہی ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وقت اچھا نہیں رہتا اور ہمیں اپنے پیاروں کو کھونا ہی ہوتا ہے اور بعض اوقات زندگی ایک موٹروے سے اتر کر کچی پگڈنڈیوں پر چلنے لگتی ہے۔ وہ سیکھ رہی ہے کہ اختتام مایوس کر دینے والی چیز نہیں ہوتی اور اس سے وہ یہ سیکھ رہی ہے کہ اسے اس بات پر شکر گزار ہونا ہے کہ وہ کتنی خوش قسمت ہے کہ اس نے ان چیزوں کے ساتھ ایک لمبے عرصے کے لیے زندگی گزاری ہے جو اب اسے میسر نہیں ہیں۔

وہ آہستہ آہستہ تنہا رہنا سیکھ رہی ہے۔ وہ سیکھ رہی ہے کہ آدھی رات کو اُٹھ کر اپنے پیاروں کی اور اپنی سلامتی کے لیے کیسے دعائیں مانگتے ہیں، کیسے ہر صبح خود کو نئی امید کے ساتھ جگاتے ہیں۔ کیسے تکلیف دہ وقت میں اپنے دل کو سہارا دیتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ سیکھ رہی ہے کہ اپنے زخم خود کیسے بھرتے ہیں۔

وہ سیکھ رہی ہے کہ انسان ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے وہ سیکھ رہی ہے کہ غلطیاں کرنے، مگر ان غلطیوں کو دہرانے کی بجائے خود کو معاف کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ وہ سیکھ رہی ہے کہ ایک ہی وقت میں خوش اور اداس کیسے ہوتے ہیں۔ وہ سیکھ رہی ہے کہ اپنی ذمہ داریاں کیسے نبھاتے ہیں۔ وہ سیکھ رہی ہے کہ خود کو ماضی کے غم اور مستقبل کے خوف سے کیسے نکالتے ہیں۔

سکھ چین کے پودے نے مسرور ہو کر اس کا اقرار سنا تھا۔ زونائیشہ اس کی باتیں نہیں سنتی تھی مگر وہ بڑی توجہ اور محبت سے اسے سنتا تھا۔

وہ ابھی تک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ دادا اپنے کمرے سے نکل کر اس کے پاس آئے تھے۔

زیش آؤ تمہیں وہ ٹیوب ویل دکھا کر لاتا ہوں جس میں تم بچپن میں ایک بار ڈوبنے لگی تھی۔" دادا اسے ٹیوب ویل یاد دلاتے ہوئے" بولے تھے۔

ان کی بات سن کر زونائیشہ کے چہرے پر اداس مسکراہٹ ابھری تھی۔

"دادا امی گھر پر بالکل اکیلی ہوں گی۔ انہیں اکیلا چھوڑ کر تو نہیں جا سکتے ہم۔"

امی نے دادا اور اس کی بات سن لی تھی۔ انہوں نے زونائیشہ کو آواز دی تھی۔

جی امی! آپ کو کچھ چاہیے؟" وہ بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ "

نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں نے تمہیں یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ اپنے دادا کے ساتھ چلی جاؤ تم۔ میں ویسے بھی کتاب پڑھ رہی" "ہوں اور تھوڑی دیر تک سو جاؤں گی۔

لیکن امی گھر پر کوئی بھی نہیں ہو گا۔ میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتی ہوں۔" وہ اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھی۔ "

"کچھ نہیں ہوتا۔ میں کہہ رہی ہوں ناں کہ تم چلی جاؤ۔ "

ان کے اصرار کرنے پر زونائیشہ مان گئی تھی اور دادا کے ساتھ چل پڑی تھی۔ جب وہ ٹیوب ویل پر پہنچے تو وہ ٹیوب ویل بند تھی۔ شاید کافی عرصے سے خراب تھی اور ٹھیک نہیں کرائی گئی تھی۔

ہم بے وجہ ہی پیدل چل کر آئے۔" زونائیشہ افسوس کرتے ہوئے بولی تھی۔ دادا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ "

وہ گھر سے تھوڑا دور ہی تھے جب زونائیشہ درخت کو دیکھنے کے چکر میں پگڈنڈی سے پھسلنے لگی تھی۔

سنبھل کر بیٹا۔ ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی آخر تمہیں ان درختوں پودوں میں کیا حسین لگتا ہے۔ اگر پھول حسین لگیں تو ان" کی تو پھر بھی سمجھ آتی ہے۔" دادا اسے سنبھلنے کا بول کر سوال پوچھنے لگے تھے۔

اور دادا مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ آخر لوگ ان درختوں اور پودوں کو اہمیت کیوں نہیں دیتے۔ انہیں دیکھتے کیوں نہیں۔ لوگ ان" کے سائے میں بیٹھتے ہیں، ان کے پھل توڑ کر کھاتے ہیں، جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو انھی درختوں سے بنی ہوئی چھڑیوں کا سہارا لے کر بھی چلتے ہیں، اپنے چولہے جلانے اور گھروں میں حرارت حاصل کرنے کے لیے ان کی لکڑیاں جلاتے ہیں، ان سے گھر کا فرنیچر بناتے ہیں، ان کی وجہ سے ہی کتابیں وجود میں آتی ہیں۔ یہی ہمارے لیے ہمارے ماحول کو صاف رکھتے ہیں، ان کی وجہ سے ہم سانس

لیتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور ہمارے مرنے پر یہی قبر تک ہمارے ساتھ جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم انہیں اہمیت نہیں دیتے۔ انہیں ایک بار مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔"

میں سمجھ گیا۔" دادا ہار مانتے ہوئے بولے تھے۔ وہ واقعی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ یا شاید انسانی فطرت ایسی ہے کہ جو چیز اسے جتنا فائدہ دیتی ہے وہ اس سے اتنا ہی بے نیاز ہو تا جاتا ہے۔"

اخیار کی امی ابھی تک کینیڈا سے واپس نہیں آئی تھیں۔ اس لیے انہوں نے اخیار کو ایک بار پھر سکول کا چکر لگانے کو بولا تھا۔ اب کی بار اخیار نے انہیں انکار نہیں کیا تھا۔ اس کے دل میں کہیں امید کی رمق تھی کہ شاید اس بار گاؤں جانے پر بھی وہ اسے نظر آ جائے۔ آج اس کا گاؤں جانے کا ارادہ تھا۔ اس لیے ایک کچھ ضروری معاملات دیکھنے کے بعد وہ ہاسپٹل سے گاؤں کے لیے نکل آیا تھا۔

سکول دوبارہ سے کھل چکے تھے۔ زونائیشہ اپنی لگی بندھی روٹین نبھا رہی تھی۔ آج بھی وہ سکول آئی ہوئی تھی۔ پہلے چار لیکچرز کے بعد بریک ہو چکی تھی۔ وہ کلاس روم کی کھڑکی سے باہر کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگ گئی تھی۔ اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اس کا دل براؤنیز کھانے کو کر رہا تھا۔ ایک بار پھر سے اسے بیتا وقت یاد آیا تھا۔ وہ اور انشا کتنے شوق سے براؤنیز کھاتی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر انشا پاکستان ہوتی تو وہ اسے آج یہ زحمت ضرور دیتی کہ اسے براؤنیز کھلائے۔ مگر اب دل کی یہ خواہش پوری ہونا ناممکن تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بریک ختم ہو گئی تھی۔ اگلا لیکچر پڑھاتے ہوئے وہ براؤنیز کو بالکل ہی بھول گئی تھی۔

اخیار کو گاڑی چلاتے ہوئے پیاس کا احساس ہوا تھا۔ بیکری کے سامنے گاڑی روک کر وہ اندر گیا تھا اور منرل واٹر کی بوتل لی تھی۔ یوں ہی اس کی نظر براؤنیز پر پڑ گئی تھی اور غیر ارادی طور پر ایک دم اسے زونائیشہ کا خیال آیا تھا۔ اور غیر ارادی طور پر اس نے دو ڈبے

Urdu Novels Ghar

براؤنیز کے پیک کروالیے تھے۔شاپر فرنٹ سیٹ پر رکھ کر اس نے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔بے خیالی میں اس نے براؤنیز لے تو لی تھیں مگر دینی کس کو ہیں یہ فلحال اسے بھی نہیں پتا تھا۔مگر پھر اسے خیال آیا تھا کہ سکول سٹاف کو دینے میں کوئی قباحت نہیں۔وہ سکول پہنچا تھا تو چوکیدار نے اس کی گاڑی دیکھ کر جلدی سے گیٹ کھول دیا تھا۔اخیار گاڑی سے اتر آفس کی جانب بڑھنے لگا تھا کہ اس کی نظر کوریڈور سے گزرتی زونائیشہ پر پڑی تھی۔سیاہ کلر کے سادہ سے سوٹ کے ساتھ سرخ رنگ کا کریب کا ڈوپٹہ سر پر سیٹ کرتے ہوئے وہ آخری لیکچر لینے کے لیے ایک کلاس روم سے نکل کر دوسرے کلاس روم کی جانب جارہی تھی۔

اخیار نے آنکھوں پر لگے سن گلاسز ہٹائے تھے۔وہ زونائیشہ ہی تھی۔سٹوڈنٹ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔وہ یقیناً اسٹاف ممبر تھی۔ہمیشہ کی طرح وہ اخیار کو دیکھے بغیر گزر گئی تھی وہ دھوپ میں تب تک وہی کھڑا رہا تھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی تھی۔اخیار اس کے پیچھے کلاس روم تک جانا چاہتا تھا مگر یہ مناسب نہیں لگنا تھا کہ وہ اپنی گاڑی سے نکلتے ہی سیدھا کسی کلاس روم میں چلا جائے۔اس لیے اس کے پیچھے جانا کا ارادہ ترک کر کے وہ آفس کی جانب بڑھ گیا تھا۔

سکول کی ملازمہ کو بلا کر اس نے براؤنیز تمام اسٹاف تک بھجوانے کا بول دیا تھا۔آفس کے تمام معاملات دیکھنے کے بعد اس نے اسٹاف رجسٹر اٹھا کر دیکھا تھا۔

تو اس کا پورا نام زونائیشہ ابراہیم ہے۔"وہ رجسٹر پر اس کا نام دیکھ کر بولا تھا۔رجسٹر رکھ کر اس نے سٹاف فائلز ڈھونڈنے کی کوشش" کی تھی اور تھوڑی تگ دو کے بعد اسے ایک کیبن میں زونائیشہ کے نام کی فائل نظر آگئی تھی۔فائل لے کر وہ ٹیبل تک آگیا تھا۔اس کا دل درست کہتا تھا کہ وہ اسے ضرور ملے گی۔اس کی امید اور اس کا انتظار رائیگاں نہیں گیا تھا۔

زونائیشہ وائٹ بورڈ پر ٹاپک سمجھانے میں مصروف تھی۔جب سکول کی ملازمہ پلیٹ میں رکھی براؤنیز لے کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

مس یہ آپ کے لیے ہے۔"وہ ڈائس پر پلیٹ رکھتے ہوئے بولی تھی۔"

زونائیشہ نے مڑ کر پلیٹ کی جانب دیکھا تھا۔پلیٹ میں موجود براؤنیز دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔

یہ کس نے بھیجی ہیں؟"وہ پوچھے بنارہ نہیں سکی تھی۔"

وہ چھوٹے صاحب آئے ہیں تو وہ تمام سٹاف کے لیے لائے ہیں۔"وہ اسے بتا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔"

تھینک یو سو مچ اللہ تعالیٰ۔اس چھوٹے صاحب کی بھی ایسے ہی دلی خواہش پوری کریں جیسے اس کے وسیلے سے میری کی ہے۔"وہ دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

اور اللہ چھوٹے صاحب کی دلی مراد الریڈی پوری کر چکا تھا۔

اخیار نے تسلی سے اس کی سی وی دیکھی تھی۔اب کی بار اسے دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ اس نے بی۔ایس کمیسٹری ملک کی نامور یونیورسٹی سے کیا تھا۔اگر وہ انشا کی بچپن کی دوست تھی تو اسے اس کا کلاس فیلو ہی ہونا تھا۔لیکن اب وہ صرف ایک ہی بات پر الجھن کا شکار تھا کہ اگر وہ اتنی ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی تو وہ اس گاؤں میں کیا کر رہی تھی۔اس بات کا جواب یا تو اسے انشا دے سکتی یا پھر زونائیشہ۔لیکن وہ زونائیشہ سے تو ہرگز نہیں پوچھ سکتا تھا۔ناجانے اس کے دل میں کیا خیال آیا تھا کہ وہ تمام کلاسز میں راؤنڈ لگانے کے ارادے سے اٹھا تھا۔مگر اس کے دل میں یہ خیال سب باتوں پر حاوی تھا کہ وہ زونائیشہ کے سامنے جا کر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اسے یاد بھی تھا یا نہیں۔لیکن یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول سکا تھا۔وہ ابھی آفس سے نکلا ہی تھا کہ چھٹی کی بیل ہو گئی تھی۔

تمام بچے اپنی کلاسز سے نکل کر گیٹ کی سمت بھاگے تھے۔اخیار مایوس ہوتے ہوئے انھی قدموں پر واپس لوٹ آیا تھا۔مگر اس نے آفس میں آ کے کھڑکی کے سامنے سے کرٹنز ہٹا دیے تھے۔اب وہ باہر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔اسے چند منٹ ہی ہوئے تھے وہاں کھڑے ہوئے اور اسے زونائیشہ چل کر آتی ہوئی نظر آئی تھی۔اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔اخیار نے غور سے اس کا دھوپ کی شدت سے تمتاتا چہرہ دیکھا تھا۔اخیار کے دل میں موہوم سی امید تھی کہ وہ شاید اس کی گاڑی دیکھ کر چند لمحوں کے لیے رک جائے گی۔اسی گاڑی پر وہ اس کے ساتھ پھول اور گجرے لینے گئی تھی۔مگر وہ اپنے دھیان میں چلتے ہوئے گاڑی کے بالکل پاس سے بغیر رکے گزر گئی تھی۔وہ اخیار کی نظروں سے اوجھل ہونے لگی تھی کہ اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ رکی ہے۔اخیار چند قدم بڑھا کر

کھڑکی کے قریب ہوا تھا۔ کوئی بچہ سکول کی کیاری سے توڑا ہوا پھول اسے تھما رہا تھا۔ اور شاید اس نے ساتھ کچھ بولا تھا۔ زونائیشہ نے ہنستے ہوئے پھول تھام لیا تھا۔ اسے ہنستا دیکھ کر اخیار کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ اور اس کی آنکھوں نے ہمیشہ کے لیے وہ منظر قید کر لیا۔ زونائیشہ وہ پھول ہینڈ بیگ میں ڈال کر سکول کا گیٹ عبور کر گئی تھی۔ اخیار بھی کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ وہ تو چلی گئی تھی اب کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کا کیا فائدہ تھا۔

انشا ابھی تک ملیشیا سے واپس نہیں آئی تھی۔ لیکن اخیار کی امی کینیڈا سے واپس آ گئی تھیں۔ اخیار نے سوچ رکھا تھا کہ وہ جلد ہی ٹائم نکال کر دوبارہ سکول ضرور جائے گا۔ لیکن اگلے کچھ دن وہ کافی مصروف رہا تھا۔ ایک کولیگ ڈاکٹر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس ڈاکٹر کی تمام ذمہ داریاں بھی اخیار کو نبھانی پڑتی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی دوبارہ سکول نہیں جا پایا تھا۔ اگر کبھی اسے ٹائم بھی ملتا تھا تو اس وقت جب سکول کا ٹائم ختم ہو چکا ہوتا تھا۔ کچھ دنوں بعد سکول میں امتحانات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور ہر سال سکول کے بار اس نے پکا اینول فنکشن پر گھر کے تمام فرد جاتے تھے۔ لیکن ہر بار اخیار کسی نہ کسی مصروفیت کی وجہ سے نہیں جا پاتا تھا۔ اب کی ارادہ بنا رکھا تھا کہ وہ اس بار اینول فنکشن ضرور اٹینڈ کرے گا۔ اور اس بار وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بالآخر وہ دن بھی آ گیا تھا اور اس نے کسی نہ کسی طرح اینول فنکشن اٹینڈ کرنے کے لیے ٹائم نکال ہی لیا تھا۔ اخیار کی امی کو جلد ہی جانا تھا۔ باقی سب نے فنکشن سٹارٹ ہونے سے کچھ دیر پہلے پہنچنا تھا۔ وہ گھر سے نکلنے لگی تھی کہ اخیار جلدی سے ان کے پیچھے بھاگا تھا۔

امی ڈرائیور کو رہنے دیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ ان کے پاس آتے ہوئے بولا تھا۔"

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

خیریت تو ہے۔ آج سورج کسی اور سمت سے نکلا ہے کیا؟ جو تمہیں اپنی مصروفیات سے فرصت مل گئی۔" وہ حیرت سے اس کی بات " سن کر بولی تھیں۔

آپ کو میری فراغت بری لگ رہی ہے؟" وہ سوالیہ لہجے میں بولا تھا۔"

ہائے ماں قربان! مجھے تو خوشی ہو رہی ہے۔ چلو ایک دن تو تم نے اپنے کام سے بریک لی۔" وہ پر مسرت لہجے میں بولی تھیں۔"

اخیار نے گاڑی کے پاس پہنچ کر ان کے لیے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور پھر خود دوسری جانب جا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سکول پہنچ چکے تھے۔

تم آفس میں بیٹھنا چاہو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میرا تو خیال ہے کہ ہال میں جا کر تم زرا چیک کر لو کہ سارا سٹاف صحیح سے کام کر رہا ہے یا گپوں میں لگے ہوئے ہیں سب۔ اب آئے ہو تو میری مدد کروانا تو بنتا ہے۔ میں تب تک آفس کا کچھ پیپر ورک دیکھ لوں۔"

جی جی۔۔ میں دیکھتا ہوں جا کر۔" اخیار فوراً ان کا کہا مانتے ہوئے آفس سے نکل گیا تھا۔ وہ تو خود یہی چاہتا تھا۔"

اسے یہاں آکر بہت عجیب لگ رہا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا اس کا یہاں آنا بھی ضروری ہے۔ جب تک انشا نہیں آجاتی اسے خود ہی کسی نہ کسی طرح زونائیشہ کی زندگی کے بارے میں جاننا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اخیار کی نظروں نے اسے ڈھونڈا تھا۔ سی گرین کلر کا سوٹ پہنے ڈوپٹے کو اچھے سے سیٹ کیے وہ چیئر پر کھڑی اسٹیج کی ڈیکوریشن میں مصروف تھی۔ اخیار اس کا چہرہ صحیح سے نہیں دیکھ پایا تھا مگر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور ٹیچر اسٹیج پر کھڑی تھی۔ جو وقفے وقفے سے اسے غبارے اور باقی ڈیکوریشن کی چیزیں پکڑا رہی تھی۔

اس بار بھی میڈم کی ساری فیملی آئے گی؟" وہ تھوڑی دیر رک کر مڑنے لگا تھا کیونکہ بے وجہ وہاں رکنا اسے مناسب نہیں لگ رہا" تھا۔ مگر زونائیشہ کا سوال سن کر وہ رک گیا تھا۔

اس بار ہی میڈم کی پوری فیملی آرہی ہے۔" اسے چیزیں پکڑانے کے لیے کھڑی مس ریحانہ نے ہی پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ ان" دونوں کی اخیار کی جانب پشت تھی۔ اس لیے وہ ابھی تک اس کی موجودگی سے ناواقف تھیں۔

کیا مطلب پہلے کبھی ان کی ساری فیملی نہیں آئی کیا؟" وہ حیرت سے سوال کرتے ہوئے بولی تھی۔ کیونکہ اس کے سکول جوائن" کرنے کے بعد دو بار اینول فنکشن ہوا تھا اور تب اس کے خیال سے ان کی ساری فیملی آئی تھی۔ مگر وہ کسی نہ کسی مسئلے کی وجہ سے دونوں بار فنکشن اٹینڈ نہیں کر سکی تھی۔

ان کا ایک بیٹا ڈاکٹر ہے وہ پہلے کبھی نہیں آیا۔ سکول بھی اسی نے بنوایا ہے مگر وہ کبھی یہاں آیا نہیں۔ لیکن کچھ عرصے پہلے جب" میڈم کینیڈا گئی ہوئی تھیں تب وہ ایک بار سکول آیا تھا۔ وہ جس دن پورے اسٹاف کو براؤنیز کھانے کو ملی تھیں۔" وہ اسے یاد دلاتے ہوئے بولی تھی۔ اخیار کو یوں باتیں سننا غیر اخلاقی لگ رہا تھا۔ مگر وہ پھر بھی چپ چاپ کھڑا باتیں سن رہا تھا۔

ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا۔ اس دن میر ابراؤنیز کھانے کا بہت دل کر رہا تھا۔ وہ دن کیسے بھول سکتی ہوں میں۔" وہ انتہائی خوشگواریت " سے بولی تھی۔

واہ بھئی یعنی تمہاری دعا کی قبولیت کے بدلے اس دن ہم سب نے بھی کھایا تھا۔" مس ریحانہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔"

اخیار مزید باتیں سننے کی بجائے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

مطلب آج میڈم کے بیٹے نے پھر سے آنا ہے؟" ناجانے کس احساس کے تحت اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ "

ہاں۔۔ اللہ کرے آج بھی وہ کھانے کے لیے ضرور کچھ لائے۔" مس ریحانہ کھانے کی کافی شوقین تھیں اسی لیے دعا کرتے ہوئے " بولی تھی۔

زونائیشہ ان کی بات سن کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہنس دی تھی۔

وہ اسٹیج ڈیکور کر چکی تھی اسی لیے چیئر سے نیچے اتر آئی تھی۔

فنکشن سٹارٹ ہونے کا ٹائم ہو چکا تھا۔ زونائیشہ نے کمپیئرنگ کرنی تھی اسی لیے مس ریحانہ نے میڈم کے فیملی ممبرز کے نام اسے پیج پر لکھ دیے تھے۔ جب کہ گھر سے بھی تمام لوگ پہنچ چکے تھے۔ فنکشن باقاعدہ طور پر سٹارٹ ہو چکا تھا۔ زونائیشہ مائیک سنبھال چکی تھی۔ فرنٹ رو میں اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھے اخیار نے اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اس کے کپڑوں کا رنگ اس پر بے انتہا جچ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ رنگ بنا ہی اس کے لیے ہے۔ آنکھوں میں کاجل لگا ہوا تھا۔ جبکہ خم دار پلکیں مسکارا لگنے کی وجہ سے مزید نمایاں ہو خوبصورت اس رہی تھیں۔ جبکہ ہونٹوں پر پیچ کلر کی لیپسٹک اس کے حسن کو سادگی میں بھی چار چاند لگا رہی تھی۔ اخیار کو سب سے کی کاجل بھری آنکھیں لگی تھیں۔ آج وہ اسے پہلے والی زونائیشہ سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ وہ اتنی پر اعتمادی سے مائیک میں بول رہی تھی کہ اخیار بس یہ سوچ کر رہ گیا تھا کہ نہ جانے اس کے اور کتنے روپ دیکھنا باقی تھے۔

اس نے ان کے تمام فیملی ممبرز کا نام لے کر انہیں خوبصورت انداز میں خوش آمدید کہا تھا۔ منت اور باران نے اپنے لیے بولے جانے جملے سن کر گردن اکڑائی تھی۔ زونائیشہ کو دیکھ کر منت اور باران دونوں کے چہرے پر کچھ کچھ الجھن تھی۔ وہ لڑکی انہیں دیکھی دیکھی لگ رہی تھی۔

ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اس نے اگلا آخری نام پڑھنے کے لیے صفحے پر نظریں جھکائی تھیں۔

اخیار نے اسے دیکھتے ہوئے اپنی سانس روکی تھی۔ کیوں کہ صرف وہی رہتا تھا اور اس نے اب اخیار کا نام بولنا تھا۔

اخت۔۔ نام پڑھتے وہ اٹکی تھی، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی، جبکہ اخیار کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ چھن "سے کسی کا عکس زونائیشہ کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔ زونائیشہ نے فرنٹ روپر نظر دوڑائی تھی۔ ستواں ناک، چوڑے ماتھے کے ساتھ گھنی مڑی ہوئی پلکیں اور ہلکی ہلکی بئیرڈ کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے وہ وہی تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر زونائیشہ کا اعتماد ڈگمگایا تھا، مگر اس نے چند لمحوں میں خود کو سنبھالتے ہوئے ہونٹوں پر دوبارہ سے مسکراہٹ سجائی تھی۔ مگر اسے وہ تمام جملے بھول گئے تھے جو اس نے خوش آمدید کہنے کے لیے بولنے تھے۔ ایک پل میں اس نے بغیر کچھ سوچے جو منہ میں آیا تھا بول دیا تھا۔ اگر اس کا دھیان تھا تو صرف ایک ہی بات پہ کہ وہ اسکا نام صحیح سے بول دے بس۔ اپنی بات پوری کر کہ اس نے ہال پر نظر دوڑائی تھی سب لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ اس نے یہ مشکل مرحلہ پار کر لیا تھا۔ زونائیشہ نے اس کے بعد فرنٹ روپر نظر ڈالنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ اور اگر غلطی سے اس کی نظر پڑ جاتی تو اسے لگتا تھا وہ بھول جائے گی کہ اسے آگے کیا بولنا ہے۔ اخیار نے صرف اسی کو توجہ سے سنا تھا اور دیکھا تھا۔ باقی بچے کیا پرفام کر رہے تھے کیا بول رہے تھے اس نے کسی پر توجہ نہیں دی تھی۔

بالکل سامنے والی رو میں اخیار کے سبھی گھر والے بیٹھے تھے۔ اخیار کے بالکل ساتھ دادی بیٹھی تھی۔

دادی آپ کو ایک بات بتاؤں؟" اخیار دادی کے کان کے پاس جھکتے ہوئے بولا تھا۔"

ہاں بتاؤ۔" دادی الجھن بھری نظریں زونائیشہ سے ہٹائے بغیر بولی تھی۔"

یہ وہی لڑکی ہے دادی۔" اخیار اپنی مسکراہٹ چھپائے بغیر بولا تھا۔ "

دادی نے ایک دم زونائیشہ پر سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا جو زونائیشہ کو دیکھ رہا تھا اور پھر دوبارہ سے زونائیشہ کی جانب دیکھا تھا۔

اخیار نے دادی کی جانب چہرہ موڑھا تھا جو الجھن سے زونائیشہ کو دیکھ رہی تھیں۔

آپ کو پسند نہیں آئی وہ؟" اخیار ان کے چہرے سے یہی اخذ کر پایا تھا۔"

اس میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر اسے ناپسند کیا جائے۔ لیکن مجھے بھی تمہاری طرح اسے یہاں دیکھ کر سمجھ نہیں آ رہی کہ "

وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ اور پھر مجھے اس لڑکی کو دیکھ کر ایسے لگ رہا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔" وہ اسے اپنی الجھن سے آگاہ کرتے ہوئے بولی تھیں۔

تمہاری امی کو پتا ہے اس بات کا؟" وہ ناجانے کیا جاننا چاہ رہی تھیں۔ "

آپ کے علاوہ کسی کو نہیں پتا اس بات کا۔" اخیار کے جواب دینے پر دادی نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی " دادی کا چہرہ چمکا تھا۔ انہیں یاد آ گیا تھا کہ انہوں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ وہ فنکشن کے اختتام پر خاص طور پر اس سے ملنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

فنکشن اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ زونائیشہ نے اخیار کی امی کو خیالات کے اظہار کے لئے بلایا تھا۔ انہوں نے اسٹیج پر جا کر چند ایک تعریفی کلمات بولے تھے اور پھر انہوں نے کہا تھا۔

میں اب اس سکول کے آفیشل اونر یعنی اپنے بیٹے اخیار رضا کو اسٹیج پر بلانا چاہوں گی۔ اس سے پہلے اس نے سکول کا کوئی فنکشن اٹینڈ " نہیں کیا تو میں چاہتی ہوں وہ اسٹیج پر آ کر بتائے کہ اس کا آج کا تجربہ کیسا رہا اور اس نے تمام سٹاف اور طلباء کے بارے میں کیا رائے " قائم کی۔

ان کی بات سن کر اخیار جزبز کا شکار ہوا تھا۔ اس نے تو اِدھر اُدھر دھیان ہی نہیں دیا تھا رائے کیا خاک قائم کرنی تھی۔ اور جس پر وہ غور کرتا رہا اس کے بارے میں اسٹیج پر جا کر تو وہ رائے دینے سے رہا۔ لیکن وہ خود کو یہی تسلی دیتے ہوئے اسٹیج پر پہنچا تھا کہ وہ چند تعارفی جملے بول دے گا۔ اس نے مائیک تھاما ہی تھا کہ اس کی نظر پریشانی سے موبائل کان سے لگا کر کھڑی زونائیشہ پر پڑی تھی۔ اس نے پریشانی سے کسی ٹیچر کو کچھ بتایا اور پھر تقریباً بھاگتے ہوئے ہال سے نکل گئی تھی۔ ایک دم اخیار کا دل اچاٹ ہوا تھا۔ اس نے بے دلی سے چند جملے بولے تھے اور اسٹیج سے اتر آیا تھا۔ اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بعد اس نے متلاشی نظروں سے زونائیشہ کو ہر جگہ دیکھا تھا مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ مایوس ہو کر اس نے اپنا موبائل پاکٹ سے نکالا تھا۔ جب وہ ہی یہاں نہیں تھی تو اس کے دیکھنے کے تھی۔ وہ اٹھ کر ہال لیے بھلا اب کیا بچا تھا۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی اسے موبائل استعمال کرتے ہوئے کہ اسے ہسپتال سے کال آ گئی سے باہر چلا گیا تھا۔ دو گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اسے ارجنٹ ہسپتال پہنچنا تھا۔ اس نے گاڑی نکالتے اپنی امی کے نمبر پر میسج چھوڑ دیا تھا کہ وہ ایمرجنسی میں ہسپتال جا رہا تھا۔ دادی نے زونائیشہ سے ملنا چاہا تھا مگر انہیں یہی بتایا گیا تھا وہ ایمرجنسی میں گھر چلی گئی ہے۔

زونائیشہ نے کال سنتے ہی اپنی ایک کولیگ کو بس یہ بتایا تھا کہ اس کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ گھر جا رہی ہے اور پھر بغیر کوئی ایکسکیوز کیے وہ گھر کے لیے نکل گئی تھی۔ گھر پہنچتے ہی گویا ایک قیامت اسکی منتظر تھی۔ اس کی ماں بے ہوش پڑی تھی اور اس کی ماں کے سرہانے کھڑی اس کی تائی اور چچیاں گویا اس کی ماں کی سانسیں گن رہی تھیں کہ آخر کون سی سانس آخری ہے۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کرے۔ انہیں ہسپتال کیسے لے کر جائے۔ اس نے ایمبولینس کو کال کی تھی مگر وہ جس علاقے اور جس گھر میں رہ رہی تھی اس کا ایڈریس انہیں سمجھانا ناممکن تھا۔ اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر انشا کے نمبر پر کال ملائی تھی۔ ایک بار، دو بار، تین بار، وہ مسلسل کال کر رہی تھی مگر انشا اس کی کال نہیں اٹھا رہی تھی۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ اس نے ایک بار پھر انشا کا نمبر ٹرائے کیا تھا۔ اب کی بار کال اٹھالی گئی تھی۔

ہیلو۔۔ انشا۔۔ وہ امی۔۔ وہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔ کوئی بھی نہیں ہے۔ میں انہیں ہسپتال کیسے لے کر جاؤں۔۔ وہ روتے ہوئے بے" ربط انداز میں بول رہی تھی۔

انشا بھی ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔ مگر اس نے اپنی پریشانی ظاہر نہیں کی تھی اور اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تھی۔

تم پریشان مت ہو، خود کو مضبوط کرو۔ گاڑی تھوڑی دیر تک تمہارے گھر پہنچ جاتی ہے۔ تم آنٹی کو لے کر ہسپتال پہنچو میں بھی " ہسپتال آ جاتی ہوں۔"

اس کی بات سن کر اسے تھوڑی تسلی ہوئی تھی۔ اور اس نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ ہزار کوشش کر رہی تھی انہیں ہوش میں لانے کی مگر وہ تھیں کہ ایک بار بھی آنکھ کھول کر اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔

سکھ چین کے پودے نے اسے بے بس دیکھ کر انتہائی اذیت محسوس کی تھی۔

وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ "برے وقت میں امید اچھے وقت کی رکھنی چاہیے مگر خود کو تیار مزید برے وقت کے لیے کرنا چاہیے۔" لیکن ہمیشہ کی طرح پودا نہ اس کو کچھ کہہ سکا تھا نہ وہ اس کی سن سکی تھی۔ گاڑی کے پہنچنے پر زونائیشہ انہیں ہسپتال لے آئی تھی۔ انہیں اسٹریچر پر لٹا کر وہ اندر کی جانب بھاگی تھی۔ انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اور وہ روتے ہوئے پاگلوں کی طرح آئی سی یو کے

باہر چکر کاٹ رہی تھی۔ دو گھنٹے گزر چکے تھے انہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔

اخیار تھوڑی دیر پہلے اوٹی سے نکلا تھا اور ابھی تک سکرب میں ہی تھا۔ وہ کوریڈور سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر آئی سی یو کے باہر چکر کاٹتی زونائیشہ پر پڑی تھی۔ وہ اسی حلیے میں تھی جس میں اخیار نے اسے سکول میں دیکھا تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ اب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہونے کی بجائے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور رونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کا کاجل پھیل چکا تھا۔ اخیار اسے دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اسے یہ اندازہ ہوا تھا کہ اس کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ لمحہ سامنے کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا تھا۔

اسے اس حالت میں دیکھ کر اخیار کے دل میں درد اٹھا تھا۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

آپ ٹھیک ہیں؟" اسے اس قدر روتا دیکھ کر وہ کچھ اور نہیں پوچھ سکا تھا۔"

نہیں۔۔ وہ میری امی۔۔" وہ نفی میں سر ہلاتے رونے کی وجہ سے اپنی بات پوری نہیں کر سکی تھی۔ اس کے پوچھنے پر اسے مزید رونا" آرہا تھا۔

کیا ہوا آپ کی امی کو؟" وہ اس کے مزید رونے پر پریشان ہوتے ہوئے بولا تھا۔"

وہ آئی سی یو ہیں۔" وہ ویسے ہی روتے ہوئے بولی تھی۔"

اخیار کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اسے تسلی دینے کے لیے کیا بولے۔ اسے یہاں ہاسپٹل میں دیکھ کر اخیار کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ فنکشن ادھورا چھوڑ کر ہال سے کیوں بھاگتے ہوئے نکلی تھی۔

آپ پریشان مت ہوں انہیں کچھ نہیں ہو گا۔ آپ یہیں رکیں میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔" وہ اسے وہیں چھوڑ کر ان کی" رپورٹس دیکھنے چلا گیا تھا۔

انہیں مائنر سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ کوئی خطرے کی بات نہ تھی۔ مگر اس وقت سامنے کھڑی لڑکی کو یہ سمجھانا اسے مشکل لگا تھا۔ وہ چلتے ہوئے اس تک آیا تھا جو ابھی تک پاگلوں کی طرح آئی سی یو کے باہر چکر کاٹنے میں مصروف تھی۔

آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ اس طرح تو آپ تھک جائیں گی۔" وہ پاس پڑے بینچ کی جانب اشارہ کرتے ہوا بولا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ" سکول میں بھی سارا وقت وہ مسلسل کھڑی رہی تھی۔

میں ٹھیک ہوں۔" وہ ویسے ہی بے چینی سے چکر کاٹتے ہوئے بولی تھی۔"

اخیار نے خود کو بے بسی کی حدوں پر محسوس کیا تھا۔ اتنے عرصے سے اس نے خواہش کی تھی کہ یہ لڑکی پھر سے اسے کہیں نظر آ جائے۔ اور اب وہ اسے اس حال میں دیکھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ تسلی دینے کے لیے کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اسے انشا سامنے سے چلتی ہوئی نظر آئی تھی۔

اس نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

انشا تم یہاں۔۔ تم تو ملیشیا تھی۔" وہ اسے وہاں دیکھ کر حیرت سے بولا تھا۔"

تھوڑی دیر پہلے پہنچی ہوں گھر۔" وہ جواب دیتے ہوئے زونائیشہ کی جانب بڑھی تھی۔"

زونائیشہ نے بھی اپنے پیروں کی حرکت روکی تھی اور اخیار کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ اور انشا کو دیکھ کر بھاگ کر اس گلے لگ گئی تھی۔ انشا نے اسے گلے سے لگا کر اس کی کمر تھپکی تھی۔

پریشان مت ہو۔ انہیں کچھ نہیں ہو گا۔" انشا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔"

انشا امی کو کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی؟" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔"

انہیں کچھ نہیں ہو گا۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو تم۔" وہ ہنوز اس کی کمر کو تھپکتے ہوئے بولی تھی۔"

اچانک ہوا کیا ہے انہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگی تھی۔"

مائنر سا ہارٹ اٹیک ہے۔ زیادہ خطرے کی بات نہیں ہے۔" جواب اخیار نے دیا تھا۔"

زونائیشہ ابھی تک رونے میں مصروف تھی۔

"زونائیشہ پلیز ہمت سے کام لو۔ اگر اسی طرح روتی رہی تو تم خود بے ہوش ہو جاؤ گی۔ آنٹی اور دادا کا خیال کون رکھے گا۔ "

میں ٹھیک ہوں۔" وہ انشا سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی۔"

اخیار ابھی تک وہیں کھڑا تھا کہ ایک نرس بھاگتے ہوئے اس کی جانب آئی تھی۔

ڈاکٹر اخیار روم نمبر فور کے پیشنٹ کی حالت بہت بگڑ گئی ہے۔ پلیز آپ جلدی میرے ساتھ آئیں۔" اس کی بات سن کر اخیار نے" انتہائی ضبط کے ساتھ زونائیشہ کے چہرے پر الوداعی نظر ڈالی تھی اور روم نمبر فور کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ فارغ ہو کر آیا تو وہ ابھی تک رو رہی تھی۔ انشا ابھی تک اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

انشا تم گھر چلی جاؤ۔ فریش ہو کر آ جانا۔ میں ان کے پاس ہوں۔" اخیار کی بات پر انشا نے زونائیشہ کی جانب دیکھا تھا۔ "

یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم گھر چلی جاؤ۔ تھکی ہوئی ہو گی تم۔" زونائیشہ کو اس کی تھکن کا خیال آیا تھا اور وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی تھی۔

میں تھوڑی دیر تک واپس آ جاؤں گی۔ تب تک میری دوست کا خیال رکھنا۔" انشا جاتے ہوئے تاکید کرتے ہوئے بولی تھی۔"

شیور۔۔" اخیار نے یک لفظی جواب دیا تھا اور اس سے تھوڑا فاصلہ بنا کر بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔"

وقفے وقفے سے اس کی آنکھ سے ایک آدھ آنسو گر جاتا تھا۔ اخیار نے اسے دیکھ کر لمبا سا سانس کھینچا تھا۔ اگر اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی تکلیف میں تھی تو اسے تکلیف میں دیکھ کر وہ اس سے زیادہ تکلیف میں تھا۔

وہ اسے تسلی دینے کے لیے کچھ بولنے ہی لگا تھا کہ وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔ اخیار نے اسے چپ چاپ جانے دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو چہرے پر پھیلا ہوا کاجل مٹا ہوا تھا۔ اور پانی کی بوندیں واضح ہو رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر اخیار سمجھ گیا تھا کہ وہ وضو کرنے گئی تھی۔

مجھے جائے نماز چاہیے۔" رونے کی وجہ سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔"

میرے ساتھ آئیں میں آپ کو پریئر روم دکھا دیتا ہوں۔" زونائیشہ اس کے پیچھے چل دی تھی۔ اسے پریئر روم دکھانے کے بعد" اخیار واپس بینچ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ذہین میں یہی خیال آ رہا تھا کہ کیا اس کے گھر میں اور کوئی نہیں ہے۔ ابھی تک کوئی بھی تو نہیں آیا تھا جو آ کر اس کی ماں کی خیر خیریت پوچھتا۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو ہاتھ میں کافی کے دو کپ اور دو سینڈوچز کے ساتھ پانی کی بوتل تھی۔ بینچ پر ٹرے اور پانی کی بوتل رکھنے کے بعد وہ دوسری جانب خود بیٹھ گیا تھا۔ زونائیشہ کے وہاں آ کر بیٹھنے پر اس نے پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی جانب تھی۔ اس نے چپ چاپ بوتل پکڑ کر چند گھونٹ پانی پی لیا تھا۔ اخیار نے ٹرے سے ایک سینڈوچ اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔ اس نے کچھ بولے بغیر نفی میں سر ہلایا تھا۔

کھا لیں۔ رونے کے لیے بھی انرجی کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔"

میرا دل نہیں کر رہا۔" ضبط کرنے کے باوجود آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے گر گئے تھے۔"

"معدے کا دل نہیں ہوتا ہے۔"

مجھے نہیں کھانا۔" وہ ضدی انداز میں بولی تھی۔"

اخیار نے سینڈوچ ٹرے میں رکھ دیا تھا۔

اس وقت اگر آپ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھیں گی تو اپنی امی کا خیال کیسے رکھیں گی۔ اگر آپ کا بیمار ہو کر ہسپتال میں ایڈمٹ " ہونے کا ارادہ ہے تو ٹھیک ہے کچھ مت کھائیں۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا تھا اور ٹرے میں سے ایک سینڈوچ اٹھا کر خود کھانے لگ گیا تھا۔

زونائیشہ چند منٹ خاموشی سے بیٹھی رہی تھی اور پھر ٹرے میں سے سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔ اخیار نے سینڈوچ ختم کر لیا تھا اور کافی کا کپ اٹھا لیا تھا۔ زونائیشہ نے سینڈوچ ختم کر کے پانی کی بوتل اٹھائی تھی۔ اخیار نے ٹرے میں پڑی ٹیبلٹ اٹھا کر اس کی جانب بڑھائی تھی۔

زونائیشہ نے سوالیہ نظروں نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ یہ کس لیے۔

پین کلر ہے۔ آپ کو اس کی ضرورت ہے۔" وہ اس کی سوالیہ نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولا تھا۔"

زونائیشہ کے سر میں واقعی شدید قسم کا درد ہو رہا تھا اس لیے اس نے پانی کے چند گھونٹ سے ٹیبلٹ نگل لی تھی اور کافی کا کپ اٹھا لیا تھا۔

وہ گھونٹ گھونٹ کافی حلق میں اتار رہی تھی۔ اس کے دماغ کو کچھ سکون ہوا تھا اور وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوئی تھی۔

بہت شکریہ۔" وہ کافی کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے تشکر بھرے انداز میں بولی تھی۔ ایک دم ایسے لگنے لگا تھا کہ جسم میں جان" آ گئی تھی۔

یہ تو میری ذمہ داری ہے۔" زونائیشہ نے اس کا یہ جملہ سن کر اچانک نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔"

انشا نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کا خیال رکھوں تو مجھے آپ کا خیال رکھنا ہی تھا۔" اس کی اچانک نظروں کو محسوس کرتے ہوئے وہ وضاحت دیتے ہوئے بولا تھا۔

میری امی ٹھیک ہو جائیں گی ناں۔" وہ پر امید لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔ "

انشاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ آپ پریشان مت ہوں۔ میں نے ان کی رپورٹس دیکھی ہیں کوئی میجر ایشو نہیں ہے۔ چند گھنٹوں میں"

انہیں روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔" وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

وہ جواب میں کچھ نہیں بول پائی تھی۔ ایک بار پھر سے ضبط کے باوجود آنکھیں چھلکی تھیں۔ چند لمحے خاموشی سے سرک کیے تھے۔ اخیار جانتا تھا کہ وہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ مگر پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اخیار نرمی سے بولا تھا۔

اس دنیا میں ہر انسان کو کوئی نا کوئی پریشانی لاحق ہے ہر ایک کو کسی نہ کسی دکھ کا سامنا ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان کو آزمایا جانا ہے۔ " بس فرق یہ ہے کہ کسی کی آزمائش بڑی ہے اور کسی کی چھوٹی اور یہ تو اللہ پہ ہے کہ وہ انسان کو بڑی آزمائش دیتا ہے یا چھوٹی۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے اللہ اپنے پیارے بندوں کو ہی بڑی آزمائشیں دیتا ہے۔ پیغمبروں اور رسولوں کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ وہ اللہ کو کس قدر پیارے تھے اور اللہ نے انہیں کس قدر آزمایا۔ اس لیے آپ اور میں یہ سوال نہیں کر سکتے کہ اللہ نے آخر ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا۔ آزمائش میں صبر و شکر شرط ہے۔ اگر ہم اس کی آزمائش پر پورا اتریں گے تو ہمیں اجر ملے گا۔ ورنہ ہم اپنے ہاتھوں سے آزمائش کا اجر گنوا دیں گے۔" اس کی آنسوؤں بھری آنکھوں دیکھتے ہوئے اس نے بات مکمل کی تھی۔

میں اب نہیں روؤں گی۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی یقین دلا رہی تھی۔ "

گڈ۔۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ بالکل نہ روئیں اور اللہ پر یقین رکھیں۔" اخیار اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا تھا۔ "

اس کی باتیں سن کر زونائیشہ کو حوصلہ ہوا بھی تھا۔ اس کے لہجے اور باتوں میں کچھ ایسا اثر تھا کہ اب وہ بالکل نہیں رو رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اخیار کے نمبر پر انشا کی کال آئی تھی۔ اس نے وہاں سے اٹھنے کی بجائے وہی بیٹھے بیٹھے فون کان سے لگا لیا تھا۔

"میں زونائیشہ کو کال کر رہی تھی مگر اٹینڈ نہیں ہو رہی شاید وہ موبائل گھر ہی بھول آئی ہے۔ خیر تم بتاؤ کہ آنٹی کیسی ہیں اب؟"

"ابھی تک تو ویسی ہی ہیں۔ "

"اور زونائیشہ؟"

"وہ ٹھیک ہے۔ "

"میں اس سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آتے ہوئے کھانا لے آؤں یا فلحال خود آ جاؤں اور تھوڑی دیر بعد گھر سے منگوا لوں۔" تم خود ہی پوچھ لو ان سے۔" اس نے بولتے ہوئے موبائل زونائیشہ کی جانب بڑھایا تھا۔ زونائیشہ نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھے" تھا۔

انشا ہے۔"اس کے بتانے پر زونائیشہ نے موبائل تھام لیا تھا۔"

وہ انشا سے بات کرنے ہی لگی تھی کہ ایک ڈاکٹر بڑی عجلت میں اخیار کو بلانے آئی تھی۔

ڈاکٹر اخیار جلدی چلیں میرے ساتھ۔وہ جس پیشنٹ کی رات کو ہارٹ سرجری ہوئی تھی اس کی پلس بہت ڈاؤن ہے۔ڈاکٹر سفیان " نے کہا ہے آپ کو جلدی سے بلا کر لاؤں۔"ڈاکٹر ہانپتے ہوئے بولی تھی۔

مجھے ایک پیشنٹ کو دیکھنا ہے میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"وہ اسے بولتے ہوئے وہاں سے جلدی سے اٹھ گیا تھا۔"

ہیلو۔۔زونائیشہ ؟"انشا نے اس کا لائن پر ہونا کنفرم کرنا چاہا تھا۔ "

ہاں۔۔ہاں انشا کیا کہہ رہی تھی تم ؟"زونائیشہ اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی تھی۔ "

"میں پوچھ رہی ہوں کہ کھانا ساتھ لے آؤں ؟ یا تم نے تھوڑی دیر تک کھانا ہے تو پھر تبھی منگوالوں گی گھر سے۔ "

مجھے ابھی بالکل بھوک نہیں ہے۔ابھی سینڈوچ کھا کر کافی پی ہے۔جب کھانا ہوا تب منگوا لینا۔ابھی تم آ جاؤ۔"وہ کوریڈور سے " گزرنے والے نرس کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

اوکے میں آتی ہوں۔"انشا نے بولتے ہی کال کاٹ دی تھی۔ "

زونائیشہ نے فون کان سے ہٹایا تھا۔موبائل کے وال پیپر پر ایک خوبصورت گھوڑے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔موبائل سکرین کے تاریک ہونے تک وہ اس گھوڑے کو دیکھتے رہی تھی۔چند منٹ بعد اس کے ہاتھ میں تھاما موبائل رنگ ہوا تھا۔سکرین پر "راحتِ جان" لکھا آرہا تھا نام کے ساتھ سرخ دل بھی جگمگا رہا تھا۔اسے دل ہی دل میں عجیب لگ رہا تھا کہ کسی کا موبائل اس نے تھاما ہوا تھا اور سونے پر سہاگہ یہ پرسنل کال بھی ابھی ہی آنی تھی۔کال اٹینڈ نہ ہونے پر دوسری جانب سے خود ہی کاٹ دی گئی تھی۔اس نے بینچ کو ٹیک لگا کر سر دیوار سے ٹکا لیا تھا۔اور آنکھیں موندھ لی تھیں۔اس کے ذہین میں بار بار برے خیالات آرہے تھے۔دو سال پہلے بھی اس نے ہاسپٹل میں ایسی کئی اذیت بھری راتیں کاٹی تھیں۔وہ بار بار ان خیالوں کو ذہین سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پیشنٹ کی حالت سنبھلنے کے بعد اس نے چند ضروری فائلز دیکھی تھیں جب وہ واپس آیا تو زونائیشہ ٹیک لگائے سو رہی تھی۔گردن دائیں کندھے پر ڈھلکی ہوئی تھی۔اخیار بینچ کی دوسری جانب بیٹھ گیا تھا۔چند لمحے وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا تھا۔اس نے زونائیشہ ابراہیم کا اچھا وقت دیکھا تھا اب اس کا برا وقت اس سے دیکھا نہیں دیکھا نہیں جا رہا تھا۔اس کا موبائل ابھی تک زونائیشہ کے ہاتھ میں

تھا۔اخیار نے اس کے ہاتھ میں تھاما اپنا موبائل دیکھا تھا۔چند لمحوں بعد اخیار نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔وہ شاید تھوڑی دیر اور سوئی رہتی مگر آئی سی یو سے کسی کے ڈیڈ باڈی نکلنے پر اس کے لواحقین کی چیخ وپکار سن کر وہ ڈر کے جاگ گئی تھی۔

اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگ گیا تھا۔ماتھے پر پسینے کی کئی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔

ریلیکس۔۔"اخیار اسے تسلی دیتے ہوئے بولا تھا۔"

اور زونائیشہ نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ ایک موت کا ہونا اس کے نزدیک کچھ نہیں ہے۔

وہ جانتا تھا انسانی موت دل دہلا دینے والی حقیقت تھی۔ایک ڈاکٹر ہونے کے باوجود پہلے پہل انسانی موت ایسے ہی اس کا بھی دل دہلا دیتی تھی۔مگر اب اسے عادت ہو گئی تھی۔

کسی کی زندگی یا موت پر ہمارا اختیار نہیں ہے۔یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"اخیار نے اسے پھر سے تسلی دینے کی کوشش تھی۔"

اچانک زونائیشہ کی نظر اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے فون پر پڑی تھی۔

آپ اپنا موبائل یہیں چھوڑ گئے تھے۔"اخیار کی جانب موبائل بڑھاتے ہوئے اس نے دانستہ کال کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

آپ بات کر رہی تھیں اور مجھے جلدی میں جانا پڑ گیا۔"اخیار اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے بولا تھا۔ "

وہ پیشنٹ کیسا ہے اب؟"زونائیشہ نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔"

الحمدللہ اب سٹیبل ہے۔"بولتے ہوئے اس نے موبائل ان لاک کیا تھا۔راحت جان کالنگ لکھا دیکھ کر اس کے چہرے پر " مسکراہٹ ابھری تھی۔

یہ تو اچھی بات ہے۔"مریض کی بہتری کا سن کر زونائیشہ دل میں اپنی ماں کے ٹھیک ہونے کی دعا کرتے ہوئے بولی تھی۔"

ہمم۔۔"اخیار نے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔"

زونائیشہ نے ایک چور نظر اس کے موبائل پر ڈالی تھی جس پر وہ کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھا۔

دونوں کے درمیان خاموشی حائل تھی۔

ہاسپٹل کا تقریباً سارا اسٹاف اخیار کو وہاں اس کے پاس بیٹھے اور اس کا خیال کرتے دیکھ چکا تھا اور اگر کسی نے نہیں دیکھا تھا تو اسے دیکھنے والوں نے بتا دیا تھا۔مگر کسی نے بھی اخیار سے کچھ نہیں پوچھا تھا نہ ہی وہ کچھ پوچھنے کا حق رکھتے تھے۔وہ اس ہاسپٹل کا اونر تھا۔چاہے

کسی کو سر پر بٹھاتا یا کسی کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا وہ اس سے کچھ نہیں پوچھ سکتے تھے۔ مگر وہ سب اتنا جان گئے تھے کہ وہ لڑکی اس کے لیے بہت خاص تھی۔

وہ دونوں ہنوز خاموش تھے کہ انشا آگئی تھی۔

اسے دیکھ کر زونائیشہ کو پھر سے اپنا ضبط ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ انشا کو دیکھ کر اخیار اٹھ گیا تھا۔

شکریہ اخیار میری دوست کا خیال رکھنے کے لیے۔" انشا تشکرانہ لہجے میں بولی تھی۔ "

اخیار ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر سر کو خم دیتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"زونائیشہ تم گھر چلی جاؤ۔ کچھ دیر ریسٹ کر لو۔ دادا بھی پریشان ہو رہے ہوں گے۔ جب تک تم واپس نہیں آ جاتی میں یہیں ہوں۔"

"نہیں میں امی کو اس حالت میں چھوڑ کر گھر نہیں جا سکتی ہوں۔ "

"میں یہیں ہوں آنٹی کے پاس۔"

انشا کی بات پر اس نے سختی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے زیادہ دیر مت رکنا۔ فریش ہو کر آ جاؤ اور دادا کو بھی بتا دینا۔" وہ اسے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔ "

دادا بھی آنے کے ضد کریں گے۔" وہ اسے نئے مسئلے سے آگاہ کرتے ہوئے بولی تھی۔ "

"جب تم انہیں ساری صورتحال بتاؤ گی تو وہ ضد نہیں کریں گے۔ آنٹی کو ہوش آ جاتا ہے تو پھر لے آنا انہیں ساتھ۔ "

انشا نے بالآخر اسے راضی کر ہی لیا تھا۔

ڈرائیور باہر ہی ہے میں کال کر رہی ہوں اسے۔ اگر ریسٹ کرنا ہو تو اسے بھیج دینا ورنہ وہ وہیں رک کر انتظار کر لے گا تمہارا۔" اسے" بولتے ہی انشا نے اپنے ہینڈ بیگ سے موبائل نکال کر ڈرائیور کو کال کر دی تھی۔ زونائیشہ کے ہاسپٹل سے باہر نکلنے پر ڈرائیور نے مستعدی سے اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

اس کے گھر میں داخل ہونے پر سکھ چین کے پودے نے اسے افسردگی سے دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کے دکھ جانتا تھا۔ اور اس کے لیے دکھ جاننے کا سب سے بڑا دکھ یہی تھا کہ وہ سب کچھ جان کر بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ اسے دلاسہ بھی نہیں دے

سکتا تھا۔

تائی نے اسے دیکھتے ہی غمگین لہجے میں پوچھا تھا۔"

" بیٹا تمہاری امی کیسی ہیں؟ "

ابھی تک تو ویسی ہی ہیں۔"نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ نم ہوا تھا۔ "

اسے دیکھ کر باقی سب آ گئے تھے۔ اس نے سب کے سوالوں کے جواب دیے تھے اور دادا کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ کمرے کی جانب چلتے ہوئے اس دل میں ہوک اٹھی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی ہاسپٹل نہیں آیا تھا نہ ہی اب کسی نے ہاسپٹل جانے کا نام لیا تھا۔ اسے ان لوگوں سے کوئی امید نہیں تھی مگر پھر بھی دل دکھا تھا۔

دادا کے کمرے میں پہنچتے ہی اس کے سارے ضبط ٹوٹ گئے تھے۔ ان کے گلے لگتے ہوئے اس کے آنسو پھر سے آنکھوں سے رواں ہوئے تھے۔ دادا بھی اپنی آنکھوں سے گرتے آنسو روک نہیں پائے تھے۔

زونائیشہ نے ہمت سے کام لیتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی اور انہیں سب بتا دیا تھا جو ڈاکٹرز نے کہا تھا۔

"بیٹا مجھے تم ساتھ لے چلو۔"

ان کی ضد پر بامشکل زونائیشہ نے انہیں سمجھایا تھا اور بالآخر وہ مان گئے تھے۔

انشا اپنے شوہر سے بات کر رہی تھی جب اخیار بینچ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

خیریت ہے ڈاکٹر صاحب آپ اپنے مریضوں کو چھوڑ کر یہاں کیا کرنے آ گئے۔"انشا کال کاٹتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر بولی تھی۔

مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا۔"اخیار کی سنجیدہ آواز سن کر وہ بھی سنجیدہ ہوئی تھی۔"

کیا پوچھنا تھا؟"انشا نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔"

ویسے تو یہ بات پوچھنے کے لیے نہ ہی یہ جگہ درست ہے اور نہ ہی موقع درست ہے لیکن یہ وقت بالکل درست ہے۔"دونوں "

ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

ایسا بھی کیا پوچھنا ہے تم نے؟" انشا کا سوالیہ لہجہ الجھن بھرا تھا۔"

مجھے تمہاری دوست زونائیشہ کے بارے میں جاننا ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ تم سے کوئی بات کرنی ہے۔ وہ بات دراصل یہی " ہے کہ مجھے زونائیشہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں بولا تھا۔

کیا بات کرنی ہے تمہیں زونائیشہ کے بارے میں؟" انشا نے حیرت سے پوچھا تھا۔ "

میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے پتا ہے وہ سکول میں جاب کر رہی ہے۔ ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ لیکن سب بہت " پیچیدہ ہے۔" وہ چاہ کر بھی اپنی الجھن چھپا نہیں پایا تھا۔

سب کچھ تو پتا ہے تمہیں اس کے بارے میں۔ اور کیا جاننا ہے؟" وہ سکول جاب اور گاؤں کا سن کر بولی تھی۔"

میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں سب کچھ پھر شاید تمہیں سمجھ آجائے کہ میں کیا جاننا چاہتا ہوں۔" اخیار نے لمبا سانس خارج " کرتے ہوئے اسے بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

شاید تمہیں یاد ہو کہ دو سال پہلے زونائیشہ نے تمہیں بتایا ہو کہ اس نے غلطی سے کسی کو ٹیکسی ڈرائیور بلایا تھا اور پھر اسی کو برگر والا" بھی بنا دیا تھا۔ اور یہی نہیں ایک بار اسے ریسٹورنٹ میں ویٹر بھی بنا ڈالا تھا۔" وہ سب یاد کر کے ہنستے ہوئے بولا تھا۔

نہیں مجھے تو ایسا کچھ بھی نہیں یاد۔" اب الجھنے کی باری انشا کی تھی۔"

اٹس ناٹ آ بگ ڈیل۔ جس نے بلایا تھا اسے یاد نہیں تمہیں تو پھر اس نے صرف بتایا تھا۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا تھا۔ "

کیا مطلب؟ وہ تم تھے۔" انشا نے حیرت سے پوچھا تھا۔ "

اخیار نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

پھر میں نے اسے تمہاری شادی پر دیکھا تھا۔ لیکن اصل جھٹکا تو مجھے اس کے بعد لگا تھا جب میں نے اسے گاؤں کے ایک تندور پر " دیکھا تھا اور پھر اپنے سکول میں۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ وہ گاؤں کیسے پہنچی؟ دو سال پہلے جس طرح میں نے اسے دیکھا تھا میرا نہیں خیال کہ اسے کسی جاب کی ضرورت ہو سکتی تھی۔ اور پھر گاؤں میں رہنا۔" اخیار اسے اصل الجھن سے آگاہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

انشا چند لمحے خاموش رہی تھی اور پھر اسے سب کچھ بتاتی گئی تھی۔ سب کچھ بتانے کے بعد انشا خاموش ہو گئی تھی اور اسے سن کر اخیار

کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ دو سال میں وہ وہیں تھا مگر ان دو سالوں میں زونائیشہ ابراہیم کی دنیا الٹ گئی تھی۔

وہ ابھی تک کچھ بولنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ انشا بھی خاموش بیٹھی تھی۔ اخیار کی نظریں اٹھی تھیں اور سامنے سے چل کر آتی زونائیشہ پر ٹھہر گئی تھیں۔ اتنے ماہ سے وہ اس کی حقیقت جاننا چاہ رہا تھا اور جب اس کی حقیقت پتا چلی تھی تو دل عجیب انداز میں دکھ رہا تھا۔ اسے پاس پہنچتا دیکھ کر اخیار بینچ سے اٹھ گیا تھا۔

امی کیسی ہیں؟ انہیں ہوش آیا؟" وہ بڑی امید کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔"

انشا نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

آپ تو ڈاکٹر ہیں ناں۔ کچھ کریں کہ انہیں ہوش آجائے۔" وہ اب اخیار کو دیکھتے ہوئے امید سے بولی تھی۔"

آپ پریشان مت ہوں انہیں ہوش آجائے گا۔" وہ اسے امید دلاتے ہوئے بولا تھا۔"

زونائیشہ نے کچھ نہیں کہا تھا اور گرنے کے انداز میں بینچ پر بیٹھی تھی۔ اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔ شاید وہ ان کے اتنے ہمت اور حوصلہ دلانے کے بعد اپنے آنسو ان دونوں سے چھپانا چاہتی تھی۔

اخیار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ انشا نے اس کی کمر دھپکتے ہوئے اسے دلاسہ دینا چاہا تھا۔

وہ رات کو ہاسپٹل ہی رک گیا تھا۔ زونائیشہ کے بہت اصرار کے بعد انشا گھر چلی گئی تھی۔ اخیار رات کو نا جانے کتنی بار اپنے آفس سے اٹھ کر اسے دیکھنا گیا تھا۔ کبھی وہ اونگھ رہی ہوتی تھی اور کبھی بالکل ساکت بیٹھی نظر آتی تھی۔ رات کا اندھیرا قدرے کم ہو رہا تھا۔ موذن فجر کی نماز کے لیے دعوت دے چکا تھا۔ اخیار نماز پڑھ کر ایک بار پھر اسے دیکھنے کے لیے آیا تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر زونائیشہ کے چہرے پر قدرے سکون آیا تھا۔

آپ کو کچھ چاہیے تھا؟" اخیار نے جان بوجھ کر سوال کیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ خود سے اسے کچھ بھی نہیں کہنے والی تھی۔"

وہ مجھے نماز پڑھنی تھی۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ کچھ دیر یہاں بیٹھ جائیں گے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی تھی۔ اسے یوں لگ رہا" تھا کہ وہ تھوڑی کے لیے بھی اپنی ماں کو اکیلے چھوڑ کر جائے گی تو اس کی ماں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے گی۔

نہیں نہیں زحمت کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ اطمینان سے نماز پڑھ لیں۔ جب تک آپ آنہیں جاتی میں یہیں ہوں۔" وہ اسے" یقین دلاتے ہوئے بولا تھا۔

زونائیشہ جب نماز پڑھ کر لوٹی تو اخیار کے ساتھ ایک اور ڈاکٹر کوریڈور میں کھڑا تھا۔ جب تک زونائیشہ وہاں پہنچی تھی ڈاکٹر جا چکا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" زونائیشہ نے خوف سے کپکپاتی آواز میں پوچھا تھا۔

"آپ کی امی کو ہوش آ گیا ہے۔"

اس کے بولتے ہی زونائیشہ کی آنکھوں سے خوشی سے آنسو نکل آئے تھے۔

"دکھ میں بھی روتی ہیں، خوشی میں بھی روتی ہیں۔۔ آپ کی آنکھوں میں واٹر پمپ تو نہیں لگا ہوا جو آپ اتنا زیادہ رو لیتی ہیں۔" اس کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر اخیار خود کو پوچھنے سے روک نہیں پایا تھا۔

اس کا جملہ سن کر زونائیشہ نم آنکھوں کے ساتھ بے ساختہ مسکرائی تھی۔ اخیار نے اپنی آنکھوں میں یہ منظر قید کیا تھا۔

"میں امی سے مل سکتی ہوں۔" وہ اس سے اجازت لیتے ہوئے بولی تھی۔

"جی بالکل آپ مل سکتی ہیں۔ انہیں روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔"

"شکریہ۔۔" اس کا شکریہ سن کر اخیار نے سر کو خم دیا تھا۔

وہ روم کی جانب بڑھ گئی تھی جب کہ وہ ایک راؤنڈ لگانے کے بعد کیفے ٹیریا جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے ایک بھرپور مسکراہٹ ان کی جانب اچھالی تھی۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟" مسکراہٹ ابھی تک اس کے ہونٹوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کی ماں کی نظریں اس کے مسکراہٹ سے زیادہ اس کی آنکھوں پر تھیں جن میں تیرتے لال ڈورے اور سوجے ہوئے پپوٹے اس کی جھوٹی مسکراہٹ کی چغلی کھا رہے تھے۔

"بہت بہتر۔" جواب دے کر انہوں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔ اپنی بیٹی کے دکھ دور کرنا ان کے بس میں نہیں تھا اور یہی بات انہیں دکھی کرتی تھی۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ کر ان کا ماتھا چومتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی تھی اور انہیں سکون کا انجکشن لگا دیا تھا۔ شاید انجیکشن کا ہی اثر تھا کہ وہ غنودگی میں جانے لگی تھیں۔ وہ کمرے کے ایک طرف پڑے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ ذہن مختلف سوچوں میں بٹا تھا۔ مگر دل اب پر سکون ہو چکا تھا۔ اسے وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ہاتھ میں ٹرے تھامے اخیار روم میں داخل ہوا تھا۔

"۔ السلام علیکم"

وعلیکم السلام۔"اخیار کے سلام کا جواب دیتے ہوئے زونائیشہ نے اس کے ہاتھوں میں تھامی ٹرے دیکھی تھی۔ "

یہ چائے پی لیں۔ تھوڑی دیر تک انشا آپ کے لیے بریک فاسٹ لے آئے گی۔ اگر ان کی طبیعت سٹیبل رہی تو انشاءاللہ شام تک" ڈسچارج کر دیا جائے گا انھیں۔"وہ اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے اپنا کپ ہونٹوں سے لگا چکا تھا۔

زونائیشہ نے چپ چاپ چائے کا کپ اٹھالیا تھا۔ اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے نظریں ساتھ بیٹھے شخص پر ٹکائی تھیں۔ وہ تھوڑی پر سکون ہوئی تھی تو دھیان خود بخود اس کی جانب چلا گیا تھا۔ کل سے اب تک کے سارے مناظر اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگے تھے۔ اور جس چیز نے اسے تعجب میں ڈالا تھا وہ سامنے بیٹھے شخص کا رویہ تھا۔ اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکا تھا۔ آخر ڈاکٹرز کب سے مریضوں کے ساتھ آنے والوں کی اتنی پرواہ کرنے لگ گئے تھے۔ اس کا دل جو محسوس کر رہا تھا اسے وہ اپنا وہم سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے خود کو دلیل دینا چاہی تھی کہ اس شخص کا رویہ اس لیے ایسا تھا کیونکہ کہ وہ اس کے سکول میں ٹیچر تھی اور پھر وہ انشا کو بھی جانتا تھا۔ مگر اس کا دل ان دلیلوں پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ اب وہ چائے کے کپ پر نظریں مرکوز کیے بیٹھی تھی۔ اخیار نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ مگر چہرے پر اب سکون تھا۔ مگر اس کا چہرہ کسی گہری سوچ کی عکاسی کر رہا تھا۔ اخیار نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔ چند لمحوں کے بعد زونائیشہ نے رُخ موڑ کر دوبارہ اس کی جانب دیکھا تھا۔ آور آل پہنے گلے میں اسٹیتھوسکوپ ڈالے دائیں ہاتھ میں چائے کا کپ تھام کر گھونٹ پیتے ہوئے وہ اسے وجاہت کا بھرپور شاہکار لگا تھا۔ اس کی جانب دیکھتے ہوئے اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔ اور پھر اسے اچانک سے وہ فون کال یاد آئی تھی جس پر راحت جاں لکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک مدھم ہوئی تھی۔ اخیار نے اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کرتے ہوئے چہرہ اس کی جانب موڑا تھا۔ اسے رُخ موڑتے دیکھ کر زونائیشہ نے فوراً سے نظریں ہٹائیں تھیں۔ جب کہ وہ اس کی چوری پکڑ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری جسے وہ چھپا گیا تھا۔

شکریہ۔"زونائیشہ اچانک سے بولی تھی۔ "

کس لیے؟"اس نے سوال کیا تھا۔ "

اس چائے کے لیے اور باقی سب چیزوں کے لیے بھی۔"وہ دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے پرہیز کر رہی تھی۔ "

اس سے پہلے کہ اخیار کوئی جواب دیتا اس کے موبائل پر کال آئی تھی۔ دادی کی کال دیکھ کر وہ اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔ دادی کو اس نے ساری بات بتادی تھی۔ اور دادی اس بات پر خفا ہو رہی تھی کہ آخر اس نے انہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اور مزید اس کی کوئی بات سنے بغیر انہوں نے اپنے ہاسپٹل آنے کی اطلاع دے کر کال کاٹ دی تھی۔

میری دادی کا فون تھا۔ وہ آپ سے ملنے کے لیے بہت بے تاب ہیں اس لیے ہاسپٹل وہ آپ سے ملنے آ رہی ہیں۔" وہ کمرے میں " واپس آ کر اس کے ذرا فاصلہ پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ اسے یہی مناسب لگا تھا کہ دادی کی انٹری سے پہلے وہ اسے خبر دار دے۔

جی؟ مجھ سے ملنے۔۔؟ لیکن کیوں؟" اس نے ایکدم سے حیرت سے کئی سوال کر ڈالے تھے۔ "

وہ دراصل فنکشن میں آپ انہیں کافی پسند آئی تھیں۔ میرا خیال ہے اسی لیے شاید۔" اخیار سے جب اور کوئی جواب نہیں بن پایا تو" اس نے یہی جھوٹ گھڑا تھا۔

اوہہہ۔۔ اچھا۔" وہ کنفیوزڈ سی بولی تھی۔ اس کے لہجے سے ہی لگ رہا تھا کہ اس کے لیے اس بات پر یقین کرنا مشکل تھا۔"

جی۔" وہ دوبارہ سے اسے یقین دلانے کے لیے بولا تھا۔ "

زونائیشہ خاموش رہی تھی۔ وہ کنفیوزڈ سی ساری صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی نظر اخیار کے ہاتھ میں تھامے موبائل پر پڑی تھی۔ گھوڑے کی خوبصورت تصویر نے پھر سے اس کی توجہ کھینچی تھی۔

یہ بہت خوبصورت ہے۔" وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے برملا اظہار کرتے ہوئے بولی تھی۔ گھوڑے کی تصویر دیکھتے ہوئے وہ دادی کا آنا" کچھ لمحوں کے لیے بھول گئی تھی۔

کون؟" اس کی آواز سن اخیار نے اسے دیکھتے ہوئے الجھے لہجے میں پوچھا تھا۔ پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے وہ" دوبارہ بول پڑا تھا۔

اچھا یہ۔۔ یہ آرٹمس ہے۔" وہ موبائل کو سامنے کرتے ہوئے گھوڑے کا نام بتاتے ہوئے بولا تھا۔"

واؤوَ۔۔ گوڈیس آف وائلڈ لائف۔" وہ ستائش بھرے لہجے میں بولی تھی۔ "

اس کی بات سن کر اخیار کے لب مسکرائے تھے۔ اس کے لیے یہ واقعی تعجب کی بات تھی کہ وہ لڑکی تاریخ کے بارے میں بھی جانتی تھی جو اس جیسے کامیاب ڈاکٹر کو ٹیکسی ڈرائیور، برگر والا اور ویٹر بنا چکی تھی۔ وہ اتنی ڈمب نہیں تھی جتنی وہ پہلی دو تین ملاقاتوں میں

اسے لگی تھی۔

اخیار کچھ بولنے لگا تھا کہ انشا کو روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اور چند منٹ ان دونوں کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ باہر نکل گیا تھا۔ ریسیپشنسٹ کو اس نے باہر نکلتے ہی کال کر دی تھی کہ دادی کے آتے ہی ان کے پوچھنے پر انہیں کوئی روم نمبر بتانے سے پہلے اسے کال کرے۔

انشا ناشتہ لے آئی تھی۔

"انشا میں ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔ تم تب تک یہیں رکنا۔ امی کو اکیلے چھوڑ کر کہیں جانا مت۔"

کیا ہو گیا ہے زیش ؟ یہیں ہوں میں۔ پریشان مت ہو۔ جاؤ تسلی سے منہ ہاتھ دھو کے آؤ اور پھر ناشتہ کرو۔" وہ اس کا خوف سمجھتے ہوئے بولی تھی۔

زونائیشہ اس کی بات سن کر گہرا سانس بھرتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔ کمرے سے نکل کر کوریڈور میں ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ بے دھیانی میں چلتے ہوئے اس کے پاؤں کا انگوٹھا ٹراؤزر کے پائنچے میں اٹکا تھا اور نتیجتاً وہ منہ کے بل گرتے ہوئے بالکل سامنے پڑے بینچ سے ٹکرائی تھی۔ اس کی پیشانی بینچ کی نوک سے اتنی شدت سے ٹکرائی تھی کہ اس کی چیخ پورے کوریڈور میں گونجی تھی۔

دادی ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ ہسپتال کے تمام اسٹاف میں سے کوئی بھی ان سے ناواقف نہیں تھا۔ بلکہ دو تین نرسز تو دادی کی باقاعدہ طور پر فین تھیں۔ اور باقی کا اسٹاف بھی کسی نہ کسی لحاظ سے ان سے متاثر ہی تھا۔

ریسیپشن پر پہنچ کر انھوں نے ریسیپشنسٹ سے کچھ پوچھنے کا تکلف ہرگز نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھیں وہ ریسیپشنسٹ یا اخیار کی مدد کے بغیر ہی زونائیشہ کو ڈھونڈ سکتی تھیں۔

ارے ڈاکٹر اریبہ کیسی ہو بیٹا؟" ڈاکٹر اریبہ نفیس سی طبیعت اور نرم مزاجی کا پیکر تھی۔ جو ہمیشہ اپنے حجاب کے ساتھ نظر آتی تھی۔ اب بھی وہ شلوار قمیض کے اوپر وائٹ کوٹ کے ساتھ حجاب میں موجود تھی اور دادی نے کوریڈور سے اسے گزرتے دیکھ کر

خاصہ اونچا سلام کیا تھا تا کہ آس پاس سے گزرتا باقی کا سٹاف بھی ان کی طرف متوجہ ہو جائے۔

"اررے دادی آپ؟ میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟" وہ خاصی پر جوشی سے بولی تھی۔ جبکہ باقی بھی دادی کو سلام کرنے اور حال چال پوچھنے کے لیے رک چکے تھے۔ دادی کا کام آسان ہو گیا تھا۔ اب ان میں سے کوئی بھی انہیں بتا سکتا تھا کہ ڈاکٹر اخیار اس ہسپتال میں پہلی بار کس کو اتنا پروٹوکول دے رہا تھا۔ زونائیشہ تک پہنچنا ان کے لیے مشکل نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر اریبہ سے حال چال پوچھنے کے بعد ابھی وہ باقی سب کی طرف متوجہ ہونے ہی لگی تھیں کہ سب کو کوریڈور میں چیخ کی آواز گونجتی سنائی دی تھی۔ کوریڈور کے اختتام پر وارڈ کی جانب مڑتے اخیار کے قدم وہ چیخ سن کر تھمے تھے۔ سب نے چیخ کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ دور سے ہی انہیں زونائیشہ ماتھا پکڑے کھڑی نظر آئی تھی۔ اس کے ماتھے سے بہتا خون اس کے دائیں رخسار کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ کو بھی سرخ کر چکا تھا۔ کوریڈور میں موجود دو تین سٹاف ممبر اور دادی کے ساتھ ساتھ کوریڈور میں موجود دوسرے سب لوگ بھی اس کی جانب بھاگے تھے۔ اخیار بھاگتے ہوئے اس تک پہنچا تھا۔ اخیار کو وہاں پہنچتے دیکھ کر سب ہی غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹے تھے۔ زونائیشہ کے ماتھے سے خون بہتا دیکھ کر وہ ڈاکٹر ہو کو پہلی بار حواس باختہ ہوا تھا۔ اس کی چیخ سن کر انشا بھی وہاں آ چکی تھی۔

"یہ یہ کیا ہوا؟ کیسے چوٹ آئی اور یہ اتنا خون۔۔؟" زونائیشہ کا خون بہتا دیکھ کر وہ گھبراتے ہوئے بولی تھی۔

"وہیل چیئر لاؤ جلدی۔" ڈاکٹر اریبہ نے پاس کھڑی نرس کو جلدی سے بولا تھا۔ نرس وہیل چیئر لانے بھاگی تھی۔ ڈاکٹر اریبہ لوگوں کو پیچھے ہٹنے کا بول چکی تھی۔ کچھ اس کی بات مان کر وہاں سے ہٹ گئے تھے جبکہ ایک دو ابھی تک جمے کھڑے تھے۔ جبکہ اخیار کو پہلی بار خون دیکھ کر اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا تھا۔ زونائیشہ ان سے بولنا چاہتی تھی کہ وہ خود چل کر جا سکتی ہے مگر اپنے سرخ ہاتھ کو دیکھ کر اس کے ہونٹ گویا سل گئے تھے۔

نرس جلدی سے وہیل چیئر لے آئی تھی۔ دادی اور ڈاکٹر اریبہ نے زونائیشہ کو سہارا دیتے ہوئے چیئر پر بیٹھایا تھا۔

"انہیں ای آر میں لے چلو۔" وہ اپنے سلب ہوتے حواسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے بولا تھا۔

نرس وہیل چیئر کو گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

"ریلیکس ڈاکٹر اخیار انہیں معمولی سی چوٹ لگی ہے۔ بس خون زیادہ بہہ رہا ہے۔" ڈاکٹر اریبہ اس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھتے ہوئے بولی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی جو نرس کو ہٹاتے ہوئے خود وہیل چیئر قابو کر چکا تھا۔ ای آر میں پہنچتے ہی اسے

دیکھ کر ڈاکٹر اور نرسز خود ہی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ نرس کے روئی تھمانے پر اس نے کانپتے ہاتھوں سے زونائیشہ کا ہاتھ ہٹا کر خون صاف کرنا چاہا تھا۔ زونائیشہ نے درد کی وجہ سے زور سے میچی آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ درد اسے ہو رہا تھا مگر درد کے تاثرات اس کا زخم صاف کرتے ہوئے شخص کے چہرے پر واضح ہو رہے تھے۔ اس کا زخم دیکھ کر اخیار کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کم سے کم پانچ کے لیے انجیکشن بھر ٹانکے لگانا ضروری تھا۔ اس کے پاس کھڑی دونوں نرسز بھی زخم دیکھ چکی تھیں۔ ایک نرس نے جلد سُن کرنے کر اُس کی جانب بڑھایا تھا۔ زونائیشہ پھر سے سختی سے آنکھیں میچ چکی تھی۔ انجیکشن تھام کر زونائیشہ کے ماتھے کی جانب جاتے اخیار کے ہاتھ پوری شدت سے کانپے تھے اور اس کے ہاتھوں کی کپکاہٹ وہاں کھڑے سب لوگوں نے دیکھی تھی۔ سب نے پہلی بار ایسا منظر دیکھا تھا اور وہ سب بن کہے اس کے ہاتھوں کی کپکاہٹ کی وجہ سمجھ گئے تھے اخیار کا ضبط ختم ہوا تھا۔ وہ انجکشن والا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے مڑا تھا۔

ڈاکٹر اریبہ۔۔"وہ انجیکشن ڈاکٹر اریبہ کی جانب بڑھاتے ہوئے مزید کچھ نہیں بول پایا تھا۔ "

ریلیکس۔۔یہ معمولی سی چوٹ ہے۔ اگر کوئی گہری چوٹ ہوتی تو وہ اب تک ہوش میں نہ ہوتی۔"اس کے ہاتھ سے انجکشن تھامتے " ہوئے ڈاکٹر اریبہ اسے ایسے ہی تسلی دی رہی تھی جیسے ڈاکٹرز کسی مریض کے بہت قریبی شخص کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر اسے تسلی دیتے ہیں۔

زونائیشہ نے ڈاکٹر اریبہ کی بات سن کر آنکھیں پھر سے کھولی تھیں اور سامنے دیکھا تھا جو اسی کی جانب دیکھ رہا تھا اور کچھ بولے بغیر اسے آنکھوں سے ہی اپنے ٹھیک ہونے کی یقین دہانی کروانی چاہی تھی۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر ڈاکٹر اریبہ رکی تھی۔ پھر اس کی نظروں کا اشارہ سمجھ کر اور اسے آنکھیں بند کرتا دیکھ کر اس نے انجیکشن والا ہاتھ زونائیشہ کے ماتھے کی جانب بڑھایا تھا۔ زونائیشہ نہیں جانتی تھی اس نے اپنے ٹھیک ہونے کا یقین سامنے کھڑے شخص کو کیوں دلانا چاہا تھا مگر اس نے ایسا کیا تھا۔ اخیار اس کی نظروں کا اشارہ سمجھ کر بھی پر سکون نہیں ہوا تھا۔ اس کی پروفیشنل لائف میں یہ پہلی بار ہو رہا تھا کہ ایک انجیکشن لگانے کے لیے اس کے ہاتھ کانپے تھے۔ کبھی کبھار وہ چوبیس گھنٹوں میں نہ کچھ کھا پاتا تھا نہ ہی سو پاتا تھا مگر پھر بھی آٹھ آٹھ گھنٹے کی سرجریز کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کبھی نہیں کانپے تھے۔ اور آج اس سے ایک انجیکشن تک نہیں لگایا تھا۔ ڈاکٹر اریبہ نے زونائیشہ کے ماتھے پر اسٹیچز لگا کر ڈریسنگ کر دی تھی۔

آپ اپنے ہاتھ دھولیں۔ بلڈ لگا ہوا ہے۔"ڈاکٹر اریبہ اس کے پاس سے ہٹتے ہوئے بولی تھی۔ "

وہ وہیل چیئر سے اٹھنے لگی تھی کہ اخیار اسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں۔"وہ خود سے کھڑی ہوتے ہوئے بولی تھی۔ اخیار پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے باہر نکلتے ہی دادی اور انشا فوراً سے اس " کے پاس آئی تھیں۔

بیٹا آپ ٹھیک ہو؟"دادی نے تشویش سے پوچھا تھا۔ "

زیش تم ٹھیک ہو ناں؟"انشا بھی پریشانی سے بولی تھی۔ "

آپ لوگ خوامخواہ اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ زیادہ گہری چوٹ نہیں ہے۔"وہ یقین دلا رہی تھی۔ "

ماتھے پر اتنی بڑی پٹی بندھی ہے اور تم کہہ رہی ہو معمولی چوٹ ہے۔"دادی کی تشویش ابھی کم نہیں ہوئی تھی۔ "

انشا تم امی کو اکیلے چھوڑ کر یہاں کھڑی ہو۔ میں نے منع بھی کیا تھا انہیں اکیلے مت چھوڑنا۔"وہ خفا لہجے میں بولی تھی۔ "

انشا اسے وضاحت دینے لگی تھی کہ اس سے پہلے اس کے عقب سے اخیار کی آواز ابھری تھی۔

"آپ کا کھڑا ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کہیں بیٹھ جائیں۔ "

اخیار کی آواز سن کر وہ کوئی جواب دیے بغیر ہاتھ دھونے کے ارادے سے چل دی تھی۔

انشا آپ ان کے ساتھ چلی جائیں۔"اسے اکیلے جاتے دیکھ کر اخیار سے رہا نہیں گیا تھا۔ انشا اس کی بات سن کر زونائیشہ کے پیچھے " چل دی تھی۔

میرا تو دل ہی دہل گیا ہے۔ بچی کا اتنا خون بہہ گیا ہے۔۔۔ مگر یہ تمہارے چہرے کا رنگ اتنا پیلا کیوں ہو رہا ہے۔"بولتے بولتے " دادی کی نظر اخیار کے چہرے پر پڑی تھی اور وہ پریشانی سے پوچھ بیٹھی تھیں۔

اُن کا اتنا خون بہتا دیکھ کر اِن کا خون خشک ہو گیا ہے۔ اس لیے رنگ اتنا پیلا ہو رہا ہے۔"دادی کی بات سن کر پاس سے گزرتی نرس " شرارت سے بولتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

بات تو اس بچی کی ٹھیک لگ رہی ہے مجھے۔ بیٹا تم بھی بیٹھ جاؤ۔ جو تمہاری حالت ہے مجھے تمہارا کھڑا ہونا بھی ٹھیک نہیں لگ رہا۔" " دادی ایک بار پھر سے پریشانی سے بولی تھی۔

Urdu Novels Ghar

"کیا ہو گیا ہے دادی۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ "

ابھی اخیار اور دادی وہیں کھڑے تھے کہ زونائیشہ اور انشا بھی آ گئی تھی۔

انہیں روم میں لے جائیں۔ دادی آپ بھی چلیں۔ میں آتا ہوں ابھی۔"وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ "

انہیں روم میں پہنچے چند منٹ ہو گئے تھے۔ دادی اس کی امی کی طبیعت کا پوچھ رہی تھیں اور ساتھ ہی اس کے اتنے برے طریقے سے گرنے کی وجہ پوچھی تھی۔

وہ میرے پاؤں کا انگھوٹھا ٹراؤزر کے پائنچے سے اٹک گیا تھا تو بس پتا ہی نہیں چلا اور اچانک گر گئی۔ سامنے بینچ تھا تو اس کی نوک "ماتھے پر لگ گئی۔"

اس کے گرنے کی وجہ دروازے سے داخل ہوتے اخیار نے بھی سنی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد یہ گولیاں بھی کھالیں۔"زونائیشہ کے پاس پہنچ کر اس نے جوس کی بوتل اور گولیاں اس کی جانب بڑھائی " تھیں۔

اسے اس طرح جوس اور گولیاں پکڑاتے دیکھ کر دادی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی جسے کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔

زونائیشہ نے گولیاں اور جوس تھامتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی ڈھڑکن ایک بار پھر بڑھی تھی۔ وہ فوراً سے نظریں جھکا گئی تھی۔

اب تھوڑی دیر ریسٹ کریں آپ۔ اور اپنی امی کے لیے پریشان مت ہوں۔ میں یہی ہوں۔ انشا بھی یہیں ہیں۔"وہ اس کی جانب " دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

میں بھی یہیں ہوں۔"دادی نے بھی اپنی موجودگی کو یقینی بنایا تھا۔ "

شکریہ۔"زونائیشہ نے دادی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "

اخیار کی نظریں ابھی تک اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکانے لگی تھی کہ دادی اسے اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی نظر آئی تھی۔ اپنے پرس سے پانچ ہزار کا نوٹ نکالتے ہوئے انہوں نے زونائیشہ کے سر سے وارا تھا۔ انہیں اپنے پاس کھڑے دیکھ کر اور پھر اپنے سر سے پیسے وارتے دیکھ کر زونائیشہ

ساکت ہوئی تھی۔ پہلے اس کی آنکھوں میں تحیر ابھری تھی، پھر کوئی یاد اور آخر پر آنسو۔ وہ جب کبھی بیمار ہوتی تھی اس کی دادی ایسے ہی اس کے سر سے پیسے وار کر دیا کرتی تھی۔

پریشان مت ہو۔ صدقہ دینے لگی ہوں تمھارا۔ صدقہ ہر مصیبت کو ٹالتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں ابھرتی نمی دیکھ کر بولی " تھیں۔

وہ جواب میں کچھ نہیں بول پائی تھی۔ اخیار نے اس کی آنکھوں کے سارے تاثرات کو نوٹ کیا تھا۔

دادی کمرے سے باہر نکلی تھی اور کوریڈور کا فرش صاف کرتی خاتون کو وہ نوٹ تھما دیا تھا۔

چند منٹ وہاں رکنے کے بعد اخیار کمرے سے نکل گیا تھا۔ اسے وارڈ کا چکر لگانا تھا۔

زیش مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" انشا اخیار کی اس کے لیے پرواہ دیکھ چکی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ اگر اسے دو سال پہلے کی " ملاقاتیں یاد تھیں، زونائیشہ یاد تھی اور پھر اس نے جس طرح اس سے زونائیشہ کے بارے میں دو سالوں کا حال احوال پوچھا تھا اس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس محبت کرتا تھا۔ اسی لیے اس نے زونائیشہ کو بھی اس بات سے آگاہ کرنے کا سوچا تھا۔

"ہاں بولو کیا بات کرنی ہے۔ "

"مجھے اخیار کے بارے میں بات کرنی ہے۔ "

کیا بات کرنی ہے اس کے بارے میں۔" زونائیشہ نے اپنے دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے پوچھنا چاہا تھا۔ "

پہلے تم ناشتہ کر لو پھر ہم بات کرتے ہیں۔" انشا کو ایک دم اس کے ابھی تک بھوکے ہونے کا خیال آیا تھا۔"

اوکے۔ مجھے پھر گولیاں بھی کھانی ہیں۔" وہ اخیار کا نام ٹلتے دیکھ کر پر سکون ہوئی تھی۔ "

زونائیشہ نے ناشتے سے فارغ ہو کر گولیاں لی تھیں۔ ابھی انشا بات شروع کرنے ہی لگی تھی کہ زونائیشہ کی امی نے ہوش میں آتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ وہ اور انشا جلدی سے ان کے پاس پہنچی تھیں۔ زونائیشہ کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر ان کا دل دہلا تھا۔ انہوں نے پریشانی سے اس کے ماتھے پر لگی چوٹ کا پوچھا تھا۔ زونائیشہ نے انہوں تسلی دی تھی اور یقین دلایا تھا کہ معمولی چوٹ تھی۔ مگر وہ پھر بھی اچھی خاصی پریشان ہو چکی تھیں۔ مگر پھر انشا کے بھی یقین دلانے پر انہیں کچھ تسلی ہوئی تھی۔

بیٹا ہم نے گھر کب جانا ہے۔ اب تو بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں۔" وہ اکتائے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ "

"ڈاکٹر نے بولا ہے شام تک ڈسچارج کر دیں گے۔ آپ ریسٹ کریں۔ "

اس کی بات کے جواب میں انھوں نے کچھ نہیں کہا تھا بلکہ خاموشی سے چھت کو گھورنے میں مصروف رہی تھیں۔ اور پھر سر گھما کر ڈرپ کی طرف دیکھا تھا جو بہت آہستگی سے چل رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر سے نیند میں جا چکی تھیں۔ انشا تھوڑی دیر میں واپس آنے کا کہہ کر گھر چلی گئی تھی۔ جبکہ اخیار کے متعلق دوبارہ اس نے بات شروع نہیں کی تھی۔ زونائیشہ صوفے کی پشت پر سر رکھے نیند میں جا رہی تھی جب دادی کمرے میں واپس آئی تھی۔

اب طبیعت کیسی ہے بیٹا؟" دادی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلا سوال اس کی طبیعت کا پوچھا تھا۔ "

ان کی آواز سن کر اس نے نیند کو خیر باد کہہ کر آنکھیں کھولنا چاہی تھیں۔

میں ٹھیک ہوں۔" نیند کے خمار میں وہ بس یہی جواب دے پائی تھی۔ "

مجھے لگتا ہے تمہیں نظر لگ گئی ہے۔ ماشاءاللہ تم کل پیاری بھی تو اتنی لگ رہی تھی۔" وہ اپنا خیال ظاہر کر رہی تھیں۔ "

زونائیشہ ہلکا سا مسکرا دی تھی اسے سمجھ نہیں آئی تھی مسکراہٹ کے علاوہ اس بات کا کیا جواب دے۔

تمہارا والد میرا بہت اچھا سٹوڈنٹ تھا۔ تمہیں غالباً یاد ہو ایک بار ہم ریسٹورنٹ میں ملے تھے۔" دادی نے اسے یاد دلانے کی " کوشش کی تھی۔

اور ایکدم زونائیشہ کے دماغ کی سکرین پر جھماکے سے وہ منظر ابھرا تھا۔

جی جی مجھے یاد ہے۔" وہ اب کی بار دل سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ "

انھیں میرے علاوہ سب یاد ہیں۔" اخیار نا جانے کب روم میں داخل ہوا تھا اور اس کی بات سنتے ہوئے بولا تھا۔ "

دادی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ جسے چھپانے کی انہوں نے کوشش نہیں تھی۔

جی۔۔؟" زونائیشہ نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ "

کچھ نہیں۔ میں آپ کی طبیعت کا پوچھنے آیا تھا۔ درد تو نہیں ہو رہا آپ کو؟" وہ اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ "

نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر بولی تھی۔ "

آپ کی آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں۔ کہیں ٹمپریچر تو نہیں ہو رہا؟" وہ تشویش سے اس کی خطرناک حد تک سرخ ہوتی "

آنکھوں کو دیکھ کر بولا تھا۔

نہیں میں ٹھیک ہوں۔ شاید نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی ہیں۔"اور سچ بھی یہی تھا۔کچھ کچی نیند ٹوٹنے کی وجہ سے " بھی آنکھیں زیادہ سرخ ہو رہی تھیں۔

وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے اس کی جانب بڑھا تھا۔زونائیشہ کی ڈھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

ہاتھ ادھر کریں۔"وہ اس کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ "

زونائیشہ کو اپنے دل کی ڈھڑکن اپنے کانوں میں محسوس ہو رہی تھی۔اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھانا اسے سب سے مشکل کام لگ رہا تھا۔

بیٹا ہاتھ آگے کرو۔"دادی کی بات سن کر اسے ہاتھ اس کی جانب بڑھانا ہی پڑا تھا۔ "

اخیار نے اپنی تین انگلیوں سے اس کی پلس محسوس کرنا چاہی تھی۔ایک منٹ تک اس کی پلس محسوس کرنے کے بعد اخیار نے حیرت سے اپنی رسٹ واچ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔زونائیشہ نے اپنے چہرے پر نظریں محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ٹمپریچر محسوس تو نہیں ہو رہا لیکن آپ کی ہارٹ بیٹ اتنی تیز کیوں ہے۔"وہ اپنی حیرت کو چھپائے بغیر بولا تھا۔ "

مجھے کیا پتا۔"وہ منمنائی تھی۔اب وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کی ڈھڑکن کی رفتار کے اتنے بڑھنے کی وجہ وہی تھا۔ "

بیٹا تم دوائی دے دو اسے۔پہلے سر پر چوٹ لگی ہوئی ہے اگر خدانخواستہ بخار زیادہ ہو گیا تو بچی بیچاری کا کیا ہو گا۔پہلے اتنی کمزور سی " ہے۔"

میں کسی نرس کو بھیجتا ہوں وہ انہیں میڈیسن دے دی گی اور آنٹی کی ڈرپ بھی اتار دے گی۔"وہ اس پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے " کمرے سے نکل گیا تھا۔

بیٹا تم تو خاموش بیٹھی ہو۔کچھ بتاؤ اپنے بارے میں۔پڑھانے کے علاوہ کیا کرتی ہو۔"دادی کو اس کی خاموشی اچھی نہیں لگی تھی۔ "

دادی یوں ہی اس سے سوال پوچھتی رہی تھی اور زونائیشہ ان کے سوالوں کے جواب دیتے دیتے اپنے بارے میں تقریباً سب کچھ بتا چکی تھی۔ان سے باتیں کرتے ہوئے اسے کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ ان کے درمیان عمروں کا اتنا زیادہ فرق ہے۔وہ کسی ہم عمر دوست کی طرح اس سے بالکل فرینک ہو کر بات کر رہی تھیں۔ان سے باتوں کے درمیان نرس آ کر اس کی امی کی ڈرپ اتار گئی تھی

اور ساتھ ہی اسے بھی ٹیبلیٹ دے گئی تھی جو اس نے ابھی تک نہیں لی تھی۔ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے دادی اور وہ باتوں میں مصروف تھیں۔

"تو تمہیں پودوں اور درختوں کے علاوہ بھی کوئی پسند ہے۔یا سب سے زیادہ پودے اور درخت ہی پسند ہیں۔"ان کے پسند ناپسند پوچھنے پر اس نے یوں ہی درختوں اور پودوں کا ذکر کیا تھا۔اور دادی نے بڑی معنی خیزی سے اس سے سوال کیا تھا۔

"نہیں درختوں اور پودوں کے علاوہ کوئی پسند نہیں ہے۔"وہ ان کے سوال کی نوعیت سمجھتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی۔

"ویسے تمہارا محبت کے بارے میں کیا خیال ہے۔؟"دادی نے بڑے عام سے انداز میں سوال کیا تھا۔

زونائیشہ ان کا سوال سن کر ہنس دی تھی۔اسے دادی سے ایسی باتوں اور ایسے سوالوں کی بالکل توقع نہیں تھی۔

"میں نے کبھی محبت کے بارے میں سوچا ہی نہیں شاید اسی لیے مجھے کبھی محبت کا خیال ہی نہیں آیا۔"وہ سادہ سے لہجے میں بولی تھی۔

"اچھا چلو یہ بتا دو تمھاری رائے کے مطابق محبت کیا ہے۔تم محبت کو کیسے ڈیفائن کرو گی۔؟"دادی نجانے اس کے منہ سے کیا سننا چاہ رہی تھیں۔

"میری رائے کے مطابق تو محبت فارغ لوگوں کا مشغلہ ہے۔"وہ پھر سے بڑی سادگی سے بولی تھی۔

اس کا جواب سن کر دادی ہنس دی تھی۔

"خیر اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔میں نے کافی مصروف لوگوں کو بھی محبت کرتے دیکھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے پھر میری رائے غلط ہو۔لیکن مجھے تو یہی ٹھیک لگتی ہے۔"

"اچھا چلو اب تم آرام کرو۔میں تمہیں خاصہ بے آرام کر چکی ہوں۔"وہ اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

"نہیں نہیں ایسی بات بالکل نہیں ہے۔مجھے آپ کے ساتھ باتیں کر کے بہت مزہ آیا۔جب ہم ریسٹورنٹ میں ملے تھے تب واپسی پر بابا نے آپ کی بہت تعریف کی تھی۔اور آپ بالکل ویسی ہی ہیں جیسا انہوں نے کہا تھا۔یقین مانیں مجھے آپ سے باتیں کر کے بہت اچھا لگا۔"وہ خلوص دل سے بولی تھی۔

"مجھے بھی تم سے باتیں کر کے بہت اچھا لگا۔انشاءاللہ پھر ملیں گے۔مجھ سے رہا نہیں گیا اور تم سے باتیں کرنے بیٹھ گئی۔اب تم آرام کرو۔"وہ محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے باہر نکل گئی تھیں۔زونائیشہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موندھ لیں تھی۔ذہین

کے پردے پر ایک چہرہ ابھرا تھا۔ بلاارادہ اسے سوچتے سوچتے نہ جانے کب وہ نیند میں چلی گئی تھی۔

اخیار آفس میں بیٹھا تھا جب دادی اندر داخل ہوئی تھی۔

کیا کر رہے ہو فارغ پوتے ؟"وہ دیوار کے ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ "

میں آپ کو فارغ پوتا کب سے لگنے لگ گیا۔"اپنے سامنے پڑی فائلز کو بند کرتے ہوئے اخیار نے تعجب سے پوچھا تھا۔ "

ابھی کچھ دیر پہلے سے۔ جب مجھے کسی نے بتایا کہ محبت فارغ لوگ کرتے ہیں۔"دادی نے اسے اطلاع دی تھی۔ "

اور آپ نے اس کسی کی بات پر یقین بھی کر لیا۔ جب کہ آپ کے سامنے ایک مصروف کی مثال موجود ہے۔ ویسے اس کسی کا نام کیا ہے ؟"وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "

زونائیشہ ابراہیم۔"دادی نے صرف نام بتانے پر اکتفا کیا تھا۔ "

جبکہ اخیار کی مسکراہٹ قہقہے میں بدلی تھی۔

" وہ ایسا کہہ سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ کبھی بھی کسی کو بھی کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔ "

دادی اس کی بات سن کر ہنس دی تھی۔

اچھا میں تمہیں یہ کہنے آئی تھی کہ مجھے گھر ڈراپ کروا دو۔ اگر فری ہو تو خود کر دو۔ میں نے ڈرائیور کو کال کی ہے وہ گھر پر نہیں ہے۔ تمہاری امی اور چچی کا شاپنگ کا پلان تھا انہیں کو مال لے کر گیا ہے۔ "

میں خود تو فری نہیں ہوں اس وقت۔ لیکن کسی کو کہہ کر آپ کو گھر ڈراپ کروا دیتا ہوں۔"وہ اپنے موبائل سے کوئی نمبر ڈھونڈنے لگا تھا۔ "

ویسے آپ نے کیا کیا باتیں کی ان سے۔"وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دادی سے پوچھنے لگا تھا۔ "

باتیں تو میں نے بہت سی کی ہیں۔ میرا تو اب بھی اس کے پاس سے اٹھنے کا دل نہیں کر رہا تھا بس اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے اٹھ آئی ہوں۔ اب سو رہی ہے وہ۔ ویسے وہ ہے بہت صابر بچی۔ زندگی میں اتنا کچھ اس کے ساتھ ہو چکا ہے اور وہ اتنے حوصلے کے "

ساتھ سب سہہ رہی ہے۔" دادی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولی تھیں۔

اخیار کچھ نہیں بول سکا تھا۔ وہ بھی تو اب اس کی زندگی کے پنوں سے واقف تھا۔

" تمہیں پتا ہے اس نے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا ہے۔ اب تمہیں مزید انجان نہیں رہنا پڑے گا۔ جب فری ہو کر گھر آؤ گے تو تمہیں بتاؤں گی سب۔ اور اس کی امی گھر چلی جائیں پھر انشاء اللہ تین چار دن تک رشتہ لے کر جائیں گے۔ آج میں تمہاری امی اور چچی سے بھی بات کروں گی اس بارے میں۔" دادی اس کی جانب متوجہ ہو کر بولی تھی۔

" دادی مجھے انشا نے ان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔" وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا۔ ہاں دادی کی رشتے والی بات نے اسے اس سارے وقت میں پہلی بار پر سکون کیا تھا۔

اس کے دوبارہ پوچھنے پر دادی اسے ساری باتیں بتانی لگی جو انھوں نے زونائیشہ سے کی تھیں۔ وہ باتوں میں مصروف تھے جب دروازہ ناک کر کے بیس بائیس سال کا لڑکا اندر داخل ہوا تھا۔

" جی سر۔" اخیار نے کال کر کے اسے اپنے آفس بلایا تھا۔

" یہ گاڑی کی کیز پکڑو اور دادی کو گھر چھوڑ آؤ۔" وہ اپنی گاڑی کی کیز اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

" اوکے سر۔" وہ کیز تھامتے ہوئے مودبانہ لہجے میں بولا تھا۔

دادی اللہ حافظ بولتے ہوئے لڑکے کے پیچھے آفس سے نکل گئی تھیں۔

اخیار تقریباً دو گھنٹوں تک آفس میں ہی مصروف رہا تھا۔ ہسپتال کے تمام معاملات کو وہ اس آفس میں بیٹھ کر ہی دیکھتا تھا۔ وہ آفس سے نکل کر کوریڈور میں آیا تھا کہ اس کے قدم خود بخود زونائیشہ کے روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تھا اور سب سے پہلے اس کی نظریں زونائیشہ کے چہرے پر پڑی تھیں۔ کہنی کو صوفے کے بازو پر ٹکائے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو موڑ کر گال کے نیچے رکھے وہ گردن کو ذرا سا موڑ کر بے خبری سے سو رہی تھی۔ پٹی بندھی ہونے کی وجہ سے ماتھا بالکل پٹی میں چھپا ہوا تھا۔ البتہ بائیں رخسار پر بالوں کی لٹ گری ہوئی تھی۔ اس کی چوٹ کے یاد آنے پر اخیار نے جھرجھری لی تھی۔ چند لمحے اسے یوں ہی دیکھتے رہنے کے

بعد اس نے بمشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس کی امی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ بھی سونے میں مصروف تھیں۔ وہ بنا چاپ پیدا کیے کمرے سے نکل گیا تھا۔ کمرے سے نکلتے ہی اس نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے فون کان سے لگایا تھا۔

" گراؤنڈ فلور کے کوریڈور میں روم نمبر سیون کے پاس جو بینچ پڑا ہے اسے وہاں سے ہٹوا دو۔ اور اینج پروٹیکٹر منگواؤ اور آج ہی ہاسپٹل کے تمام بینچز کے کونوں پر لگواؤ۔ اور ہاں آن ڈیوٹی نرسز میں سے جو اس وقت فارغ ہے اسے روم نمبر سیون میں بھیج دو۔ جب تک پیشنٹ کے ساتھ جو ہے وہ خود نہ نرس کو جانے کا بولے تب تک وہ وہیں رہے۔" حکم دے کر وہ کال کاٹ چکا تھا۔

چند منٹ کے بعد نرس کمرے میں آچکی تھی۔ زونائیشہ جب نیند سے جاگی تو نرس کو موبائل میں مصروف دیکھا تھا۔ چند منٹ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ اسے یہی لگ رہا تھا کہ وہ اس کی امی کو دیکھنے آئی ہو گی یا کوئی میڈیسن دینے۔ مگر اسے مسلسل موبائل استعمال کرتے دیکھ کر وہ مجبوراً بول ہی پڑی۔

" آپ یہاں بیٹھی ہیں خیریت تو ہے؟" اس نے شائستگی سے سوال پوچھا تھا۔

" ارے آپ جاگ گئیں۔ سوری موبائل استعمال کرتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں ہوا۔ دراصل مجھے ڈاکٹر اخیار نے بھجوایا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ جب تک آپ خود مجھے نہ کہیں تب تک میں یہاں سے نہ جاؤں۔" نرس نے ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر جواب دیا تھا۔

" آئی سی۔ مجھے لگا تھا شاید میری امی کو دیکھنے آئی ہیں۔" وہ سچائی سے بولی تھی۔

" "آپ کی امی نے ایک بار نیند سے جاگ کر پانی مانگا تھا میں نے دے دیا۔ پانی پی کر وہ پھر سے دوائیوں کے زیر اثر سو گئی ہیں۔

" مجھے نیند میں پتا ہی نہیں چلا کہ امی نے پانی مانگا ہے۔" اسے احساس ندامت نے گھیرا تھا۔

" کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹر اخیار نے مجھے اسی لیے بھیجا تھا کہ آپ سو رہی ہیں تو آپ کی امی کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ "

" تھینک یو سو مچ۔" وہ تہہ دل سے اس کی شکر گزار ہوتے ہوئے بولی تھی۔

" مینشن ناٹ۔ اگر آپ سونا چاہتی ہیں سو جائیں میں یہیں ہوں۔" نرس خوشدلی سے بولی تھی۔

" نہیں نہیں۔۔ میری نیند پوری ہو گئی۔ بائی داوے آپ جانا چاہتی ہیں تو جا سکتی ہیں۔ "

" اوکے۔ میں پھر چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔" نرس الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے روم سے باہر نکل گئی تھی۔

زونائیشہ کے دل میں عجیب سا احساس جاگا تھا۔ وہ شخص اس کی کتنی پرواہ کر رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے اس کی مشکور ہوئی تھی۔

اخیار فریش ہونے کے لیے گھر چلا گیا تھا اور فریش ہو کر اس نے دوبارہ ہسپتال کا رخ کیا تھا۔ آدھے راستے اس نے نجانے کیا سوچ کر گاڑی روکی تھی اور پھولوں کا خوبصورت سا بکے خرید لیا تھا۔ ہسپتال پہنچ کر وہ سیدھا روم نمبر سیون میں گیا تھا۔

زونائیشہ جب سے جاگی تھی لاشعوری طور پر اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اب اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ سیدھی ہوئی تھی۔ بلیک پینٹ کے اوپر بلیک ہی شرٹ پہنے، بازوؤں کو فولڈ کیے اور دائیں کہنی پر وائٹ کوٹ ڈالے اور دائیں ہاتھ میں ہی بکے تھامے وہ قدم قدم چلتا اس تک آیا تھا۔ سیاہ رنگ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ زونائیشہ نے دل ہی دل میں ماشاءاللہ بولا تھا۔ وہ جب جب اس کے چہرے پر نظر ڈالتی تھی اسے یہی لگتا تھا کہ اس نے ایسا حسین چہرہ نہ کہیں دیکھا ہے نہ وہ کبھی دیکھ سکے گی۔

"یہ میں آنٹی کے لیے لایا تھا۔" وہ بکے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

زونائیشہ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے بکے تھام لیا تھا۔

"شکریہ۔"

"ماتھا درد تو نہیں کر رہا۔" وہ اس کے چہرے کو نظروں میں رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں۔" زونائیشہ نے اس سے نظریں ملائے بغیر یک لفظی جواب دیا تھا۔

"گڈ۔" اس کی طرح یک لفظی جواب دے کر اس نے اسکی امی کی فائل اٹھا کر دیکھی تھی۔ فائل پڑھنے کے بعد اس نے دوبارہ وہیں رکھ دی تھی۔ سب کچھ نارمل تھا۔ ان کی طبیعت سٹیبل تھی۔

"چلیں آپ آرام کریں میں چلتا ہوں۔" وہ مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"شکریہ۔" اسے مڑتے دیکھ کر زونائیشہ جلدی سے بولی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے پلٹا تھا۔ اس کے چہرے پر نمودار ہونے پر ڈمپل دیکھ کر اس کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔

"اب کس بات کے لیے؟" وہ یونہی ہی مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"وہ نرس کو بھیجنے کے لیے۔" وہ زیادہ دیر تک اس کے چہرے پر نظریں نہیں ٹکا سکی تھی۔

"مائی پلیئژر۔" وہ مسکرا کر بولتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

زونائیشہ نے اس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد بکے اٹھایا تھا۔ناک کے قریب کرتے ہوئے اس نے پھولوں کی تازہ خوشبو کو محسوس کیا تھا۔

ایک دم اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ایک اس کے اپنے تھے جو اس سے بالکل ہی لاپرواہ تھے اور ایک وہ شخص تھا جسے اس کی اتنی پرواہ تھی۔آنکھوں کی نمی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس نے اب کی بار ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ سجا کر پھولوں کی خوشبو کو محسوس کیا تھا۔یہ پھول بھی انسانوں کی زندگی میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔کوئی خوش ہو تو اس کی خوشی بڑھانے کے لیے پھول دیے جاتے کے لیے پھول ہیں،کوئی غمگین ہو تو اس کو دلاسہ دینے کے لیے پھول دیے جاتے ہیں،کوئی بیمار ہو تو اس کو ٹھیک ہونے کی دعا دینے دیے جاتے ہیں،کوئی روٹھا ہو تو اس کو منانے کے لیے پھول دیے جاتے ہیں اور حتیٰ کہ محبت کا اظہار کرنے کے لیے بھی پھول ہی دیے جاتے ہیں۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انشا بھی آ گئی تھی۔انشا کے آتے ہی اسے اخیار کے متعلق وہ بات یاد آئی تھی جو وہ کہے بغیر ہی چلی گئی تھی۔مگر اس نے اب دوبارہ اس بات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔نہ جانے وہ بھول گئی تھی یا دانستہ ذکر نہیں کر رہی تھی۔ان کے باتیں کرنے کے دوران زونائیشہ کی امی بھی جاگ گئی تھی۔کچھ دیر وہ بھی ان دونوں کے ساتھ باتیں کرتی رہیں تھیں۔ان کو باتیں کرتا دیکھ کر زونائیشہ کے دل کا تھوڑی بہت خوف بھی جاتا رہا تھا۔کافی دیر باتیں کرتے رہنے کے بعد زونائیشہ کی امی نے اسے مخاطب کیا تھا۔

زیش بیٹا مجھے باہر لے چلو۔میں تھوڑی دیر تازہ ہوا میں بیٹھنا چاہتی ہوں۔"انہیں اس کمرے میں گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔ "

میں وہیل چیئر لے آؤں پھر آپ کو لے چلتی ہوں۔"زونائیشہ وہیل چیئر لانے کا بول کر باہر نکل گئی تھی۔ "

واپس آ کر اس نے انشا کی مدد سے انہیں وہیل چیئر پر بٹھایا تھا اور ہسپتال کے لان میں لے آئی تھی۔کافی دیر وہ وہیں بیٹھی رہی تھیں۔ انشا اور زونائیشہ بھی ساتھ پڑے بینچ پر بیٹھی تھیں۔

جب وہ وہاں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھیں تو زونائیشہ کو انہیں کمرے میں واپس لے جانا کا بولا تھا۔

انشا تم انہیں لے چلو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"انشا انہیں لے کر کمرے میں چلے گئی تھی۔ "

انہیں روم میں پہنچے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی جب اخیار کمرے میں داخل ہوا تھا۔

السلام علیکم۔"اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہمیشہ کی طرح سلام کرنے میں پہل کی تھی۔ "

وعلیکم السلام۔"انشا اور زونائیشہ کی امی دونوں نے اکھٹے سلام کا جواب دیا تھا۔ "

آنٹی یہ ڈاکٹر اخیار ہے۔یہ اس ہاسپٹل کا اونر بھی ہے۔اور جہاں زونائیشہ جاب کرتی ہے وہ سکول بھی اسی نے بنوایا ہے لیکن اس " سکول کے تمام معاملات اس کی امی دیکھتی ہیں۔پچھلے کچھ عرصے سے ہماری فیملیز کے درمیان کافی دوستی ہو گئی ہے تو میں اسے پرسنلی بھی جانتی ہوں۔"انشا نے اخیار کا تفصیلی تعارف کروانا مناسب سمجھا تھا۔

ماشاءاللہ۔پھر تو انہیں فلانتھراپسٹ کہا جاسکتا ہے۔"وہ تعریف کے ساتھ ساتھ اسے خطاب دیتے ہوئے بولی تھیں۔ "

اخیار ہنس دیا تھا۔

یہ بکے کون لایا ہے؟"اچانک ان کی نظر صوفے پر پڑے ہوئے بکے پر پڑی تھی انہیں یہی لگا تھا کہ انشا لائی ہو گی مگر پھر بھی " انہوں نے پوچھ لیا تھا۔

یہ میں لایا تھا آنٹی۔آپ کے لیے۔لیکن اس وقت آپ سو رہی تھیں۔"وہ صوفے کی جانب بڑھا تھا اور بکے اٹھا کر ان کے قریب " آیا تھا۔

لیکن اب چونکہ آپ جاگ گئی ہیں اور میں بھی یہیں ہوں تو میں خود آپ کو دے دیتا ہوں۔"وہ بکے ان کی جانب بڑھاتے ہوئے " بولا تھا۔

گیٹ ول سون۔۔"وہ بکے ان کی جانب بڑھائے کھڑا تھا۔ "

انہوں نے خوشگوار حیرت سے بکے بہت تھام لیا تھا۔

سوسویٹ آف یو اینڈ تھینک یو۔میرا کوئی بیٹا ہوتا تو یقیناً آپ جیسا ہوتا۔"وہ بیٹے کی کمی محسوس کرتے ہوئے بولی تھیں۔ "

مجھ جیسا کیوں ہوتا میں کیوں نہیں ہو سکتا۔"وہ اتنی اپنائیت سے بولا تھا کہ وہ مسکرانے پر مجبور ہو گئی تھیں۔وہ خود بھی نہیں جانتی " تھیں کہ جس سے وہ پہلی بار مل رہی تھیں آخر انہیں اس سے اتنی اپنائیت کیوں محسوس ہوئی تھی۔اخیار کافی دیر ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا تھا۔انہیں زیادہ باتیں کرنے کی عادت نہیں تھی مگر پھر بھی انہوں نے اس سے باتیں کی تھی۔بالآخر ان کے آرام کا خیال کرتے ہوئے اخیار ان سے الوداعی کلمات کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا

Urdu Novels Ghar

وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھی رہنا چاہتی تھی۔ سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا تھا۔ مگر وہ درد کو اگنور کیے چند قدم دور کھڑے درخت کے تنے اور ٹہنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ پورے ہسپتال میں وہ واحد درخت تھا۔ اس کے دل نے درخت کی تنہائی کو محسوس کیا تھا۔ اور پھر اس کے دل میں خیال جاگا تھا کہ کیا کوئی اس درخت کی تنہائی کا احساس کرتے ہوئے اس کے پاس آکر بیٹھتا ہو گا۔ مگر پھر اسے خود ہی اپنی سوچ پر ہنسی آئی تھی۔ ہسپتال میں لگے ساکت وجامد درخت ہوں یا ہسپتال کے کمروں میں پڑے ساکت وجامد وجود سب کے حصے میں تنہائی آتی ہے۔ اس درخت نے خود کو گھورتی لڑکی کو دیکھ کر اس کی سوچ پڑھی تھی اور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا تھا۔ "انسان انسانوں کی تنہائی نہیں سمجھتے، درختوں پودوں کی تنہائی بھلا کہاں سمجھیں گے۔" درخت کی اس بات پر سارے پتوں نے متفق ہوتے ہوئے سرہاں میں ہلایا تھا جس سے انکی سرسراہٹ تیز ہوئی تھی۔

وہ ابھی تک ٹکٹکی باندھے درخت کو گھورنے میں مصروف تھی کہ اخیار کے بینچ کی دوسری جانب آکر بیٹھنے سے اس کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔ ایک نظر اس کے چہرے پر ڈال کر وہ دوبارہ سے درخت کو دیکھنے لگی تھی۔ دماغ میں پھر سے اس کے موبائل پر آنے والی کال ابھری تھی۔

خیریت تو ہے آپ یہاں بیٹھی ہیں؟" اسے خاموش پاکر وہ خود ہی بول پڑا تھا۔ "

کیوں یہاں بیٹھنے پر پابندی ہے کیا؟" اسے نا جانے کیوں غصہ آرہا تھا۔ "

اخیار نے حیرت سے چہرہ موڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ زونائشہ کو ایک پل میں اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہوا تھا۔

میرے کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ آنٹی کو روم میں اکیلے چھوڑ کر کیسے آگئی۔" وہ اس کے لہجے کا برا منائے بغیر وضاحت دیتے ہوئے بولا تھا۔ "

انشاہے ان کے پاس۔" اب کی بار اس کے لہجے میں سختی بالکل نہ تھی۔ "

"اوہ اچھا۔ "

ویسے آپ کو یہاں ایک اور درخت بھی لگوانا چاہیے تھا یا پھر یہ بھی نہ لگواتے۔" وہ دوبارہ سے درخت کو دیکھتے ہوئے اظہارِ خیال کر رہی تھی۔ "

دوسرا درخت کیوں؟ میرے خیال سے تو اس درخت کو اکلوتے ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔" اسے دوسرے درخت کی منطق "
سمجھ نہیں آئی تھی۔

اکلوتے ہونا اعزاز نہیں ہوتا، عذاب ہوتا ہے۔ کیوں کہ جو اکلوتے ہوتے ہیں ان کے حصے میں سب کچھ پورا آتا ہے۔ حتیٰ کہ دکھ "
اور تنہائی بھی۔" اس کے لہجے سے درد چھلکا تھا۔

تو آپ کہنا چاہتی ہیں کہ یہاں ایک اور درخت ہونا چاہیے تھا تا کہ اس درخت کے مکمل دکھ اور تنہائی کو بانٹا جا سکتا۔" وہ تصدیق "
کرتے ہوئے بولا تھا۔

"بالکل۔ کیوں کہ تنہائی اور دکھ ایسی چیزیں ہیں جو بانٹ لینے سے کم ہوتی ہیں، یہ پیار محبت کی طرح بانٹنے سے بڑھتی نہیں ہیں۔ "
آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کو بھی مجھ سے اپنے دکھ بانٹ لینے چاہیے۔ آخر دکھ بانٹنے سے کم ہوتے ہیں۔" وہ گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔ "
زونائیشہ کے دل کی ڈھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

جی۔۔؟" اس نے ہمیشہ کی طرح کنفرم کرنا چاہا تھا کہ کیا اس کے کانوں نے صحیح سنا ہے۔ "

آئندہ ایسے ٹراؤذرز مت پہنیے گا۔ آپ کا ماتھا اتنا پڑا نہیں ہے کہ مزید پانچ چھ ٹانکے لگ سکیں۔" وہ بات بدلتے ہوئے حکم دینے "
والے انداز میں بول کر بینچ سے اٹھا تھا۔

ایکسکیوزمی۔۔۔" وہ اس کے حکمیہ لہجے کو محسوس کرتے ہوئے بولی تھی جب کہ لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ مگر وہ مزید کوئی "
جواب دیے بنا وہاں سے چلا گیا تھا۔ زونائیشہ تب تک اس کی پست کو دیکھتی رہی تھی جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو
گیا تھا۔ اس کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اسے کیسے پتا چلا کہ وہ کیسے گری تھی۔ اور پھر اس کا حکمیہ لہجہ۔

چند لمحے وہاں بیٹھنے کے بعد اس نے درخت پر الوداعی نظر ڈالی تھی اور وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی جب اس
کی نظر بینچ کے کونوں پر پڑی تھی۔ ایج پروٹیکٹر لگے دیکھ کر اس نے بے اختیار اپنے ماتھے کو چھوا تھا۔ کمرے میں پہنچنے تک اس نے
جتنے بینچ دیکھے تھے سب کے کناروں پر ایج پروٹیکٹر لگے تھے۔

کمرے میں آکر وہ دوبارہ سے امی اور انشا کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھی۔ نرس آکر اسے میڈیسن دے گئی تھی۔ اس کی امی کی دوائی
کے ساتھ ساتھ اس کے لیے بھی دوائی تھی۔ زونائیشہ کو اب کی بار حیرت نہیں ہوئی تھی وہ جانتی تھی کہ یہ اخیار کے حکم کی تعمیل ہی

Urdu Novels Ghar

ہو گی جو فارمیسی سے میڈیسن لا کر اسے دی گئی تھی۔ اس کی امی کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ زونائیشہ اخیار کو دیکھ کر اسے شکریہ بولنا چاہتی تھی مگر نہ جانے وہ اسے صرف شکریہ بولنا چاہتی تھی یا صرف دیکھنا چاہتی تھی۔ ہسپتال سے نکلنے تک اس کی نظروں نے اسے ہر طرف ڈھونڈا تھا مگر وہ آپریشن تھیٹر میں ہونے کی وجہ سے اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

رات کا ایک بج رہا تھا جب اخیار ہسپتال سے گھر لوٹا تھا۔ گاڑی گیٹ سے اندر لاتے ہی اس کی نظر جھولے پر بیٹھی منت پر پڑی تھی جو نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ سیدھا اس کی طرف آیا تھا۔

منت طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ اس تک پہنچتے ہوئے فکر سے بولا تھا۔ "

وہ جو نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی اس کی آواز سن کر گھبرا کر اٹھی تھی۔

ججی جی بھائی۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔ "

مجھے تو تم ٹھیک نہیں لگ رہی۔ ٹائم دیکھو رات کا ایک بج رہا ہے اور تم اس وقت یہاں بیٹھو ہو۔" اخیار کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ "

کل کوئز ہے وہ تیار کر رہی تھی اس لیے جاگ رہی ہوں۔ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی تو لان میں آ گئی۔" اس نے بڑی صفائی سے جھوٹ " بولنا چاہا تھا۔

اخیار کو نا چاہتے ہوئے بھی اس کی بات پر یقین کرنا پڑا تھا۔ اسے جلد روم میں جانے کا کہہ کر وہ خود بھی اپنے روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اخیار فجر پڑھ کر پھر سے سو گیا تھا۔ اسے سوئے کچھ دیر ہی ہوئی تھی جب باران نے آ کر اسے جگایا تھا۔ دادی کی طبیعت رات سے خراب تھی مگر انہوں نے بتایا اب تھا۔ اسی لیے وہ اسے جگانے آئی تھی۔ وہ منہ پر پانی کے چند چھینٹے مار کر دادی کے کمرے کی جانب چل دیا تھا۔

سبھی لوگ دادی کے کمرے میں پہلے سے موجود تھے۔

دادی کیا ہوا آپ کی طبیعت کو؟"دادی کے پاس پہنچتے ہوئے اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔ "

فوڈ پوائزنگ۔"جواب چچی کی طرف سے آیا تھا۔ "

کیا کھایا تھا آپ نے؟"اخیار نے دادی سے پوچھا تھا۔ "

وہی جو سب نے۔۔۔"دادی کی بات ابھی منہ میں تھی کہ اخیار کی امی بات کاٹتے ہوئے بولی تھی۔ "

"کل جب ہاسپٹل سے واپس آئی تھیں تو رستے میں کسی گول گپے والے کو اچھی کمائی کروا کے آئی تھیں۔ "

اکیلے کھا کر آئی تھیں،اسی کی سزا ہے۔ہمیں ساتھ کھلاتیں تو کبھی فوڈ پوائزنگ نہ ہوتی۔"باران نے اپنی قیمتی رائے پیش کی تھی۔ "

دادی میں نے آپ کو کتنی بار منع کیا ہے کہ ٹھیلے وغیرہ سے مت کھایا کریں۔"اخیار ناراضگی سے بولا تھا۔ "

بیٹا جھوٹ بول رہے ہیں سب۔"دادی نے اپنی صفائی دینے کی ادنیٰ سی کوشش کی تھی۔ "

اموجان سب کو پتا ہے کہ پورے شہر میں گول گپوں کا کوئی ایک ٹھیلہ نہیں ہے جو آپ نے چھوڑا ہو گا۔"اخیار کے چچا نے موقع پر " حملہ کیا تھا۔

بیٹا مجھے لگتا ہے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی نظر لگ گئی۔ورنہ آج سے پہلے تو کسی بھی ٹھیلے سے گول گپے کھانے پر مجھے صرف ڈکار آتا " تھا۔اس بار ہی ہوا کہ ڈکار کی بجائے الٹیاں آرہی ہیں۔"دادی نے بھی حساب برابر کیا تھا۔

دادی کی اتنی طبیعت خراب ہے۔میں تو آج یونیورسٹی نہیں جاؤں گی۔"باران نے دادی سے محبت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ "

اخیار بغیر کچھ کہے روم سے نکل گیا تھا۔جب وہ واپس آیا تو موبائل کان سے لگا ہوا تھا۔وہ کچھ بولتا ہوا آرہا تھا۔

رنگر لے آنا۔"دادی اس کا آخری جملہ ہی سن پائی تھی۔انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ان کی بھوک کا احساس کرتے ہوئے زنگر برگر " منگوا رہا تھا۔دس پندرہ منٹ تک سب ہی دادی کی طبیعت خرابی کے متعلق اپنی اپنی رائے پیش کرتے رہے تھے۔بس منت وہاں نہیں تھی۔رات کو اتنی دیر تک جاگنے کی وجہ وہ اب باران کے جگانے پر نہیں جاگی تھی۔

دس پندرہ منٹ کے بعد بیل بجی تھی۔دادی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔اخیار گیٹ تک گیا تھا اور جب وہ واپس آیا تو ہاتھ میں شاپر موجود تھا۔

اندر آتے ہی اس نے شاپر سے ڈرپ نکالی تھی۔ساتھ کچھ انجیکشن بھی تھے۔شاپر سے کینولا نکال کر وہ دادی کی جانب بڑھا تھا۔

Urdu Novels Ghar

تم نے توز نگر بر گر منگوایا تھاناں؟"دادی نے شدید حیرت سے سوال کیا تھا۔ "

کیاہو گیاہے دادی۔میں بھلاز نگر بر گر کیوں منگوایا گااور وہ بھی اس وقت؟"وہ ان کاہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔ "

لیکن میں نے خود سنا تھا تم کہہ رہے تھے ایک زنگر لیتے آؤ۔"دادی اسے یاد دلاتے ہوئے بولی تھی۔باقی سب خاموشی سے باری "

باری اخیار اور دادی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

اوہ ہو دادی۔۔میں نے زنگر نہیں رنگر بولا تھااور یہ ہے رنگر۔"وہ ڈرپ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا تھااور ساتھ ہی ہنس دیا "

تھا۔

آپ کو لگا کہ میں اس وقت آپ کو زنگر بر گر منگوا کر دوں گا وہ بھی تب جب آپ کو فوڈ پوائزنگ ہے۔"اسے دادی کے خیال پر "

ہنسی آرہی تھی۔

باقی سب کو بھی دادی کے ساتھ ہوئے پرینک کی سمجھ آگئی تھی اسی لیے سب دل کھول کر ہنس رہے تھے۔

یہ تمہاری 'اس وقت' سے کیا مراد ہے۔کھانا کھانے کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا۔بلکہ کھانا کسی بھی ٹائم کھایا جاسکتا ہے۔"دادی تیوری "

چڑھا کر پوچھنے کے ساتھ بتا بھی رہی تھیں۔

کھانا کھانے کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا ہے لیکن جنک فوڈ کھانے کا ایک ٹائم ہوتا ہے۔"وہ باتوں باتوں میں دادی کے ہاتھ پر کینولا لگا چکا "

تھا۔

تم اپنی ڈاکٹری میرے سامنے مت جھاڑو۔اوہہ فارغ لوگ۔"وہ منہ پھیرتے ہوئے جس انداز میں بولی تھیں سب کو ہنسی آگئی "

تھی۔

دادی کو موڈ سوینگز ہو رہے ہیں۔"باران نے ایک بار پھر رائے پیش کی تھی۔ "

فوڈ پوائزنگ میں موڈ سوینگز نہیں ہوتے ہیں۔"اخیار نے اس کے نالج میں اضافہ کیا تھا۔ "

وہ ڈرپ لگا چکا تھا۔شاپر میں پڑے انجیکشن نکال کر اس نے ڈرپ میں ڈال دیے تھے۔

"امی دادی کے لیے کھچڑی بنادیں۔اگر کچھ اور بھی دیناہو تو انہیں نرم غذا ہی دینی ہے۔ "

کھچڑی کا سن کر باران نے بتیسی نکالی تھی۔جب کہ باقی سب نے بھی دبی دبی مسکراہٹیں چھپائیں تھی۔کہاں دادی نے زنگر بر گر کھانا

تھا اور کہاں اب انہیں کھچڑی کھانی تھی۔

صبح کی روشنی کب کی چار سو پھیل چکی تھی۔ سب لوگ ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ دادی کی ڈرپ بھی ختم ہونے والی تھی۔ منت اور باران کو سب نے زبردستی یونیورسٹی بھیج دیا تھا۔ دادی نے سب کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اخیار کے متعلق بات کرنے کا سوچا تھا۔ اور پھر دادی نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت اخیار کی امی کو ہوئی تھی۔

"میں بھی کہوں اسے سکول جانے کی فرصت کہاں سے ملنے لگ گئی۔ مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ یہ فرصت خاص طور پر نکالی جاتی ہے۔ "

میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ جلد ہی رشتہ لے کر جائیں۔ کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟" دادی نے باری باری سب کے چہروں کو " دیکھا تھا۔

سب نے انکار میں سر ہلایا تھا۔ اگر وہ اخیار کی پسند تھی اور دادی کو کوئی اعتراض نہیں تھا تو انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چچی اور امی کو بس یہ اعتراض تھا کہ انہیں آخر بے خبر کیوں رکھا گیا تھا۔ سب کے درمیان یہی طے پایا تھا کہ وہ دادی کے ٹھیک ہوتے ہی رشتہ لے کر جائیں گے۔

زونائیشہ سارے کام کرنے کے بعد پودے کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے آج سکول سے چھٹی کر لی تھی۔ جبکہ زونائیشہ کی امی ہمیشہ کی طرح کوئی کتاب کھولے بیٹھی تھیں۔ مگر پہلی بار وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں پڑھ پا رہی تھیں۔ وہ پہلی بار بے بسی سے اپنے ہاتھ میں تھامی کتاب کو دیکھنے لگی تھیں۔ ان کے اس ارتکاز کو زونائیشہ کے موبائل فون پر آنے والی کال نے توڑا تھا۔ زونائیشہ نے کمرے میں آ کر کال اٹینڈ کی تھی۔

کس کی کال تھی؟" وہ اسے کال کاٹتے دیکھ کر بولی تھیں۔ "

"کچھ عرصہ پہلے ایک فارماسیوٹیکل کمپنی میں اپلائے کیا تھا۔ وہاں سے کال تھی۔ کل انٹرویو کے لیے بلایا تھا۔ "

"تو پھر جا رہی ہو کل؟ "

نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دے کر بات ختم کی تھی۔ "

لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم جاؤ۔" انہوں نے بات شروع کی تھی۔ "

امی آپ کو پتا ہے کہ میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ اس وقت تو نا جانے کیا سوچ کر میں نے اپلائے کر دیا تھا۔ اگر آپ " ہاسپٹل نہ جاتی تو شاید میں اس جاب کے بارے میں سوچتی کیوں کہ یہاں جاب کے ساتھ بہت سی سہولیات ہیں لیکن اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ پھر سے بات ختم کرتے ہوئے بولی تھی۔

زیش بیٹا میں چاہتی ہوں تم کل انٹرویو کے لیے جاؤ۔ اور اگر تم سلیکٹ ہوتی ہو تو یہ جاب ضرور کرو۔ دو سال تک تم نے میری بات " نہیں مانی لیکن اب اور نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ہم ہمیشہ اسی گھر میں رہیں۔ سکول میں جاب کرتے ہوئے تو یہ بالکل بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔" وہ اسے بلیک میل کرتے ہوئے بولی تھیں۔ اپنی وجہ سے وہ اسے مزید کسی چیز پر کمپرومائز نہیں کرنے دینا چاہتی تھیں۔

زونائیشہ ان کی بلیک میلنگ میں آ بھی گئی تھی اور اگلے دن انٹرویو دینے کے لیے چلی گئی تھی۔ اس کا انٹرویو اچھا رہا تھا۔ وہ سلیکٹ ہو گئی تھی۔ سیلری پیکج بھی اچھا تھا۔ جوائن کرنے سے پہلے اس نے سفینہ بیگم کو فون کیا تھا۔

اس نے فون پر انہیں ریزائن کرنے کی وجہ بتا دی تھی۔ اور انہوں نے اس نئی جاب پر اسے مبارکباد دی تھی۔

ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اس کے ماتھے پر لگے ٹانکے کھل چکے تھے۔ مگر ان ٹانکوں کے نشان ہمیشہ رہنے والے تھے۔ جاب کے ساتھ سب کچھ مینج کرنے میں اسے اتنی مشکل پیش نہیں آ رہی تھی جتنا وہ سوچتی تھی۔

اس دن وہ شام کے وقت سکھ چین کے پودے کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ اس پودے کے پاس بیٹھنے کے لئے ہمیشہ وقت نکال لیتی تھی۔ وہ جب سے ہاسپٹل سے آئی تھی سکھ چین کے پودے سے اس کی ساری باتیں اخیار کے متعلق ہوتی تھیں۔ اسے اب بھی یہی لگتا تھا کہ اس نے انشا کی شادی پر دیکھنے سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا تھا۔ مگر جس طرح اسے یہ یاد نہیں آتا تھا آخر اس نے پہلے اسے کہاں دیکھا تھا ویسے ہی اسے وہ فون کال نہیں بھولتی تھی۔ وہ اس کی ذات سے خود کو جتنا بے نیاز کرنے کی کوشش کرتی تھی اتنا ہی وہ اس کے دل و دماغ پر اٹکا رہتا تھا۔

اس کی امی آج پھر کتاب کھول کر بیٹھی تھی۔ آج پھر وہ کتاب کو بے بسی سے دیکھ رہی تھیں۔ جن کتابوں نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا تھا اب وہ کتابیں انہیں اپنا ساتھ دیتی نظر نہیں آتی تھیں۔ وہ کتابیں کسی سنگ مرمر کی عمارت کی طرح بالکل ساکت تھیں۔ ڈھڑکتا ہوا دل ہی انہیں اپنا سہارا لگا تھا۔ انہوں نے اپنے دل سے سرگوشی کی تھی کہ وہی ان سے کوئی بات کر لے۔ ان کی کتابیں تو ان سے روٹھ

چکی تھیں۔

ایک ہفتہ ہو چکا تھا مگر دادی کی طبیعت ابھی تک مکمل طور ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اخیار کی امی نے سب کو زونائیشہ کے ریزائن کے متعلق بتا دیا تھا۔ اس دن سب لوگ ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ منت اور باران وہاں نہیں تھیں۔ اتوار ہونے کی وجہ سے وہ ابھی تک سونے میں مصروف تھیں۔ اخیار نے سب کو مخاطب کیا تھا۔

" مجھے امریکہ جانا ہے کچھ دن کے لیے۔ ہاسپٹل میں سٹی اسکین مشین خراب ہے کچھ عرصے سے۔ اور باقی بھی بہت سے میڈیکل انسٹرومنٹ کی ضرورت ہے۔ میرے کچھ کلاس فیلوز امریکہ میں دو تین ویلفیئر فاؤنڈیشن کے ممبر ہیں۔ میں نے انہیں میل کی تھی۔ ایک نے مجھے پازیٹو رسپانس دیا ہے۔ لیکن میرا خود کا وہاں جانا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ہسپتال کے لیے کچھ فنڈز دینے پر بھی رضامند ہو جائیں۔"

" ٹھیک ہے تم چلو جاؤ۔ تمہارے آنے تک ہم تمہاری شادی کی تاریخ بھی طے کر دیں گے۔" دادی نے اس کے ساتھ ساتھ باقی سب کو بھی اطلاع دی تھی۔

اخیار کا منہ میں لقمہ ڈالتا ہاتھ تھما تھا۔ اس نے جن نظروں سے دادی کو دیکھا تھا دادی نے فوراً اگلا جملہ بولا تھا۔

"زونائیشہ کے ساتھ شادی کی تاریخ۔ "

اخیار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ جس کو چھپانے کی اس نے بالکل کوشش نہیں کی تھی۔

" تم نے توماں کو کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اگر بتایا ہوتا تو ہو سکتا ہے یہ دو سال کا انتظار تمہارے حصے میں نا آتا۔ اس نے جب سے سکول جوائن کیا تھا میں تب سے اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اگر بتا دیتے تو اب تک تمہاری شادی کیا تمہارے بچے بھی ہو چکے ہونے تھے۔ اور ہم سب اس وقت تمہارے بچوں کو کھلا رہے ہوتے۔" اسکی ماں نے موقع دیکھتے ہوئے شکایت کی تھی۔

" شاید یہ دو سال کا انتظار قسمت میں لکھا تھا۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بغیر کسی افسوس کے بولا تھا۔ وہ مل گئی تھی اس کے لیے یہی کافی تھا۔ وہ اس کے ملنے کے بعد بھی بھلا کوئی افسوس کیسے کر سکتے تھا۔ اس کے نزدیک یہ ناشکری ہونی تھی۔

"ایسے ہی قسمت میں لکھا تھا۔ تمہاری اپنی غلطی ہے۔ تمہاری وجہ سے ہم سب بھی تمہاری شادی کی خوشی محسوس کرنے سے محروم رہے ہیں۔ تمہاری وجہ سے اس وقت ہم تمہارے بچوں کو کھلانے کی بجائے تم سے بحث کر رہے ہیں۔" چچی نے بھی پیچھے نہیں رہنا چاہا تھا۔ اسی لیے انہوں نے بھی وار کیا تھا۔

"میرے جن نامولود بچوں کو آپ سب اتنا یاد کر رہے ہیں وہیں بچے عالم بالا میں تڑپتے ہوئے دہائیاں دے رہے ہیں کہ ان کے باپ کو بخش دیا جائے۔" وہ چائے کا کپ خالی کرتے ہوئے اٹھا تھا۔

"میں ہاسپٹل جا رہا ہوں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔ پھر پیکنگ بھی کرنی ہے مجھے۔" وہ بول کر ڈائننگ روم سے نکل گیا تھا۔

"دیکھ رہی ہیں امو جان۔ بات ایسے کر کے گیا ہے جیسے یہ عالم بالا میں پڑے اپنے بچوں کے ساتھ رابطے میں ہے۔" یہ شکایت اخیار کے والد کی جانب سے آئی تھی۔

"اگر تم لوگ اسی دنیا میں موجود اپنی اولاد کے ساتھ رابطے میں ہوتے تو یہ دو سال بیچ میں آنے ہی نہیں تھے۔ اگر اس نے نہیں بتایا تو قصور اس کا نہیں تم لوگوں کا ہے۔ تم لوگوں نے کبھی اپنے اور اپنی اولاد کے درمیان موجود فاصلے مٹانے کی کوشش کی؟ کبھی ایسا کیا کہ اپنے بزنس کو نظر انداز کر کے اولاد کو توجہ دی ہو۔ تم لوگ اولاد کو نظر انداز کر سکتے ہو مگر نام نہاد بزنس کو نہیں۔" دادی سب کو آئینہ دکھاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

اخیار کی شدید خواہش تھی کہ وہ امریکہ جانے سے پہلے زونائیشہ سے ایک بار مل کر جائے۔ مگر اس سے ملنا اسے کسی طرح مناسب نہیں لگا تھا۔ اس کے امریکہ جانے سے اگلے دن وہ رشتے کے لیے زونائیشہ کے گھر گئے تھے۔ زونائیشہ اس وقت جاب پر تھی۔ دادا اور امی کو خاصی خوشی ہوئی تھی۔ ان دونوں کو رشتہ نہایت مناسب لگا تھا۔ مگر اسی وقت جواب دینے کی بجائے انہوں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا تھا۔ دادی نے اخیار کو اس متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ تین دن بعد زونائیشہ کی امی نے فون پر ہاں کر دی تھی۔ دادی نے اخیار کو بتا دیا تھا۔ اخیار اور اس کے گھر والوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ زونائیشہ اس سارے معاملے سے ابھی تک لا علم تھی۔

شام کو جب وہ فارغ ہو کر امی کے پاس بیٹھی تو انہوں نے گلا کنکھارتے ہوئے بات شروع کی تھی۔

"زیش بیٹا ایک بہت اچھے گھر سے تمہارا رشتہ آیا ہے۔ تمہارے دادا اور مجھے وہ رشتہ نہایت مناسب لگا اس لیے ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔۔۔" وہ آگے بھی کچھ بول رہی تھیں مگر زونائیشہ کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔ اس کے کانوں میں بس ایک ہی جملہ گونج رہا تھا "ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا۔" دل جڑنے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔

"تمہارے دادا اور میں بہت خوش ہیں اور مطمئن بھی۔" وہ ابھی تک بول رہی تھیں۔ زونائیشہ نے اپنے درد کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں خوشی کی چمک بہت واضح تھی۔

"یہ تمہاری آنکھوں میں نمی کیوں ہے۔ تم ٹھیک ہو؟ سوری بیٹا مجھے تم سے پوچھے بنا ہاں نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مجھے لگا تمہیں اعتراض نہیں ہو گا۔ اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے تو بتا سکتی ہو تم۔ میں تمہاری دوست بھی ہوں۔" وہ زونائیشہ کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ اب انہیں زونائیشہ کی رضامندی لیے بغیر خود ہی فیصلہ کرنا غلط لگا تھا۔ اسی لیے وہ سوال کرنے کے ساتھ ساتھ وضاحت بھی دے رہی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے امی۔ مجھے بھلا کون پسند ہو گا۔ آپ اس رشتے سے خوش ہیں تو میری خوشی بھی یہی ہے۔" آج سے پہلے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ آج پہلی بار وہ جھوٹ بول رہی تھی اور اس جھوٹ سے اس کا اپنا دل ہی زخمی ہو گیا تھا۔

"پھر تمہاری آنکھوں میں یہ نمی کیسی ہے؟" انہیں تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ تو میں پریشان ہو رہی ہوں کہ انہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہو کہ میں آپ کو اور دادا کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں۔" وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے اب کی بار سچائی سے بولی تھی۔

"تم ہماری فکر چھوڑو۔ یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے کہ تم پریشان ہو۔" انہیں زونائیشہ کی بات پر یقین آ گیا تھا اس لیے مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

زونائیشہ تھوڑی دیر ان کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد وہاں سے اُٹھ آئی تھی۔ وہ جان گئی تھی اس کی ماں کی خوشی کیا تھی۔ اسے تو اپنی خوشی نہیں ملی تھی ماں کو خوش کرنے میں بھلا کیا حرج تھا۔

وہ سکھ چین کے پودے کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا واحد رازدار اور دکھ سکھ کا ساتھی وہی تو تھا۔

میں بھی کس قدر خوش فہم ہوں۔ اگر اس نے میرا خیال رکھا یا میری پرواہ کی تو اس کی یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ مجھ سے محبت "کرتا ہے۔ اگر میرا زخم دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گیا تھا یا مجھے انجیکشن لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپنے لگ گئے تھے تب بھی ان سب کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں نے تو وہ فون کال دیکھی تھی ناں میں تو جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں کوئی اور ہے پھر میں کیسے اس سے محبت کر بیٹھی۔ کب ہو گئی مجھے اس سے محبت۔ تب جب میں نے اسے پہلی بار انشا کے گھر دیکھا تھا، یا تب جب میں نے اسے سکول میں دیکھا تھا یا تب جب میں نے اپنی چوٹ پر اس کے ہاتھ کانپتے دیکھے تھے۔"

اس کے اقرار پر سکھ چین کے سوکھے پتوں نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ پتوں کے ساتھ ساتھ اس نے خود بھی چونک کر سر اٹھایا تھا۔

اس نے خود کو کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہا تھا۔ اس کے پاس محبت والا آپشن نہیں تھا۔ پھر کیسے اس سے یہ غلطی ہو گئی۔

یک طرفہ محبتوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ خاص طور پر ایسی یک طرفہ محبتیں جن میں کبھی کوئی اقرار ہی نہ ہوا ہو۔ اور میرے "لیے یہی بہتر ہے کہ وہ شخص میرے جذبات سے ناواقف ہے۔ اب تو ویسے بھی زندگی میں دوبارہ اس سے سامنا ناممکن سی بات ہے۔ اور یہی اچھا ہے کہ اس سے اب کبھی میرا سامنا نہ ہو۔ نہ وہ سامنے آئے گا نہ میرے دل میں کوئی ہلچل ہو گی۔ جب دل ہی ساکت ہو جائے گا تو اس کی محبت خود ہی زنگ آلود ہو جائے گی۔ ساکت و جامد چیزوں کو زنگ لگتے آخر دیر ہی کتنی لگتی ہے۔" وہ ناجانے خود کو تسلیاں دے رہی تھی یا اپنے دل کو یا پھر سکھ چین کو پودے کو بتا رہی تھی۔

امی اس وقت مجھے بتا رہی تھی مگر میں نے سنا ہی نہیں کچھ۔ اب دوبارہ ان سے پوچھوں گی کہ وہ کون ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ "میں خود اس شخص سے ایک بار مل کر امی اور دادا کے متعلق بات کر لوں۔ تاکہ بعد میں اسے یا اس کے خاندان کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔ آخر اس شخص کے ساتھ مجھے اپنی ساری زندگی بیتانی ہے۔ اور امی اور دادا کو تو میں یہاں بالکل بھی نہیں چھوڑ سکتی۔" آنسوؤں کو حلق کے راستے اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ سکھ چین کے پودے کو اپنے اگلے لائحہ عمل کے متعلق بتا رہی تھی۔

سکھ چین کے پودے نے کچھ بے چینی سے کچھ سکون سے اسے دیکھا تھا۔ اور وہ بے چینی سے وہاں بیٹھی رہی تھی اور پھر اُٹھ کر اپنی امی کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ جب سے ہاسپٹل سے آئیں تھیں انہوں نے کتابیں پڑھنا چھوڑ دیں تھی۔ یا شاید کتابوں نے خود کو پڑھوانا چھوڑ دیا تھا۔

وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ آج سے پہلے زونائیشہ نے کبھی انہیں اتنا پر سکون نہیں دیکھا تھا۔ وہ جتنی پر سکون تھیں

زونائیشہ کے اندر اتنی ہی بے چینی تھی۔

رات کے تین بج رہے تھے دادی اور اخیار ویڈیو کال پر بات کر رہے تھے جب دادی کی نظر کھڑکی سے نظر آتے لان کے اس حصے پر پڑی تھی جہاں منت دونوں بازو باندھے آہستہ آہستہ لان میں ٹہل رہی تھی۔ دور سے ہی دادی کو لگ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"یہ لڑکی اس وقت لان میں کیا کر رہی ہے۔" دادی بڑبڑائی تھی۔

"کون لڑکی؟" اخیار ان کی بات سن چکا تھا۔

"منت۔ اخیار بیٹا میں تمہیں تھوڑی دیر میں کال کرتی ہوں۔" وہ بتا کر کال کاٹنے لگی تھیں جب اخیار نے انہیں روکا تھا۔

" ایک منٹ دادی۔ مجھے منت کے بارے میں کچھ بات کرنی ہے۔ پہلے آپ میری بات سن لیں پھر اس کے پاس جایئے گا۔ "

"ہاں بولو۔" دادی نے منت سے نظریں ہٹا کر موبائل پر جمائی تھیں۔

"دادی مجھے لگتا ہے وہ کسی بات کی وجہ سے بہت زیادہ ڈسٹرب ہے۔ میں نے ایک بار پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے مجھے نہیں بتایا۔ میں نے اسے ایک دوبار ایسے ہی لان میں بے چینی سے ٹہلتے دیکھا ہے۔ اور دو تین بار تو رات دیر تک اس کے کمرے کی لائٹ بھی جلتی دیکھی ہے۔ اور اب بھی آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ لان میں ہے۔ اس کے ساتھ یقیناً کوئی مسئلہ ہے۔ میں وہاں ہوتا تو پتا لگانے کی کوشش کرتا لیکن اب آپ پتا لگانے کی کوشش کریں کہ آخر کس بات نے اسے اتنا ڈسٹرب کیا ہوا ہے۔" بہن کے لیے پریشانی اس کے چہرے سے صاف واضح تھی۔

"تم ٹینشن مت لو میں۔ میں ہوں ناں یہاں۔ بے فکر رہو۔" دادی نے اسے یقین دہانی کرائی تھی۔

کال کاٹنے کے بعد وہ لان میں چلی آئی تھیں۔

"منت کیا ہوا ہے بیٹا؟" دادی کے پوچھنے پر وہ ایک دم کسی خیال سے چونکی تھی۔

"کچھ نہیں دادی۔ نیند نہیں آ رہی تھی تو باہر آ گئی۔" وہ آنکھوں میں تیرتی نمی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔

نیند نہ آنے کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی ناں۔"دادی نے کریدنے کی کوشش کی تھی۔ "

نہیں دادی بس ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اب آ رہی ہے۔ جانے لگی ہوں روم میں۔"دادی کے سوالوں سے بچنے کا اسے یہی " حل نظر آیا تھا۔

وہ دادی کو گہری سوچ میں چھوڑ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اگلے دن کا سورج ہمیشہ کی طرح اپنے معمول کے مطابق طلوع ہوا تھا۔ مگر زونائیشہ کے دل میں بڑھتی بے چینی معمولی نہیں تھی۔ وہ جاب پر جانے کے لیے تیار ہو چکی تھی مگر پھر اپنی امی کے پاس آئی تھی۔

امی آج میرا جاب پر جانے کا دل نہیں کر رہا۔"وہ ان کے بالکل پاس بیڈ کے کنارے پر ٹک کر ان کے گلے لگتے ہوئے بولی تھی۔ یہ " اس کی بچپن کی عادت تھی جب کبھی وہ بے چین ہوتی تھی یا کسی بات پر بے حد پریشان ہوتی تھی تو آکر اپنی ماں کے گلے لگ جاتی تھی۔ اور کچھ بولے بغیر دو تین منٹ تک ان کے گلے لگے رہنے کے بعد خاموشی سے ان سے الگ ہو جاتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ جب جب بے چینی اور پریشانی میں ان کے گلے لگتی تھی اس کی آدھی بے چینی اور پریشانی وہ انتہائی خاموشی کے ساتھ خود میں جذب کر لیتی تھیں۔ ماؤں کا لمس ہی ایسا طاقت ور ہوتا ہے کہ فقط ان سے لپٹ جانے سے ہی اولاد کو اپنی پریشانیوں اور تکلیفوں کی طاقت کم ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

دل کی مت سنو اور جاب پر جاؤ۔ جاب کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں بھلا۔"وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی تھیں۔ "

آپ کو اکیلا چھوڑ کر جانے کا دل نہیں کر رہا میرا۔"وہ انہیں حقیقت بتاتے ہوئے ان سے الگ ہوئی تھی۔ "

"مجھے چھوڑ کر پہلی بار تو تم نہیں جا رہی۔ پھر کیوں گھبرا رہی ہو۔ "

"مجھے بھی نہیں پتا کہ میرا دل کیوں اتنا گھبرا رہا ہے۔ "

میری ذات نے تو تمہیں بالکل ڈرپوک بنا دیا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے جب میں نہیں رہوں گی تب تم بالکل ڈرپوک نہیں رہو گی۔" " وہ مذاق میں بولتے ہوئے اس کا دل چیر گئی تھیں۔

امی پلیز آپ دوبارہ ایسا کچھ مت بولیے گا۔ ابو کے بغیر تو میں جی رہی ہوں لیکن آپ کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" "

وہ اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روک نہیں پائی تھی۔

اچھا ٹھیک ہے آئندہ ایسا کچھ نہیں بولوں گی۔ لیکن میں نے آب حیات تھوڑی پیا ہوا جو میں نے مرنا نہیں۔ سب کی زندگی کو ایک " "نہ ایک دن موت ہاتھوں مات کھانی پڑتی ہے۔

آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ ایسی باتیں نہیں کریں گی۔" وہ ناراضگی سے یاددہانی کروا رہی تھی۔ "

"وہ تو میں تمہیں سمجھا رہی تھی۔ "

مجھے کچھ نہیں سمجھنا۔" وہ ہنوز ناراضگی سے بولی تھی۔ "

اچھا ٹھیک ہے کچھ نہیں سمجھاتی تمہیں۔ سب کچھ خود ہی سمجھ جانا۔ بس ماں سے ناراضگی ختم کرو اور جاب پر جاؤ۔" وہ اس کا ماتھا " چومتے ہوئے بولی تھیں۔

زونائیشہ کو دل کے لاکھ نہ چاہنے کے باوجود بھی جاب پر جانا پڑا تھا۔

جمعہ ہونے کی وجہ سے منت اور باران کا آج یونیورسٹی میں ایک ہی لیکچر تھا۔ دونوں نے یونیورسٹی جانے کی بجائے چھٹی کر لی تھی۔

دادی نے باران سے منت کے متعلق پوچھا تھا مگر اس نے منت سے کیا وعدہ نبھاتے ہوئے دادی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

دادی نے خود ہی منت سے بات کرنے کا سوچا تھا۔ منت کے کمرے کے سامنے پہنچ کر انہوں نے دروازہ ناک کیا تھا۔ تقریباً تین منٹ بعد دروازہ کھلا تھا۔ سامنے ہی بھیگے چہرے اور سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ منت کھڑی تھی۔

دادی نے دروازہ بند کیا تھا اور اس کا ہاتھ تھام کر کمرے کے وسط میں پڑے ہوئے کاؤچ پر بیٹھ گئی تھی۔

تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟" دادی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ "

میں نے ابھی منہ دھویا ہے تو آنکھوں میں کچھ چلا گیا ہے اسی لیے سرخ ہو گئی ہیں۔" شدید رونے کی وجہ سے آواز بھی بھاری ہو " چکی تھی۔

میں نے آنکھوں کی سرخی کی نہیں سوزش کی وجہ پوچھی ہے۔ اور آواز کے بھاری ہونے کا کیا بہانہ بناؤ گی۔" دادی کا لہجہ سادہ تھا۔ "

دادی میں۔۔" اس سے بات پوری نہیں ہو سکی تھی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا تھا۔ "

منت تم اور باران کہتی ہو کہ میں سب سے زیادہ پیار اخیار سے کرتی ہوں۔ مگر تم دونوں جانتی ہو کہ جتنا پیار مجھے تم دونوں سے ہے " اتنا پیار کسی سے بھی نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ چاہا تھا کہ میں اپنی پوتیوں کے لیے ان کی دادی سے زیادہ ان کے سہیلی ہوں۔ بڑھتی عمر کے باوجود میں نے خود کو بوڑھا نہیں ہونے دیا کہ کہیں تم لوگوں کو یہ نا لگے کہ میں تم لوگوں کی بات کو یا تم لوگوں کے حالات کو نہیں سمجھ سکتی۔ میں نے ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ فرینک ماحول میں رہنا چاہا تھا۔ پھر ہمارے رشتے کے درمیان ایسی کیا چیز آگئی ہے جو تم مجھ سے اپنا مسئلہ شئیر نہیں کر پا رہی۔ یا مجھ سے کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے جو تم سمجھتی ہو کہ تمہاری دادی تمہارا مسئلہ نہیں سمجھ پائے گی۔" دادی اس کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے شفقت سے بولی تھی۔

میں جانتی ہوں دادی آپ سب سے زیادہ پیار ہم دونوں سے کرتی ہیں۔ لیکن میں۔۔" وہ اپنی بات پوری نہیں کر پائی تھی۔ " آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں نے پلکوں کی باڑ توڑ دی تھی۔

تمہیں پتا ہے اخیار امریکہ میں ہونے کے باوجود تمہارے لیے کتنا پریشان ہے۔ میں تمہارے لیے کتنی پریشان ہوں۔ بیٹا مسائل " شئیر کرنے سے ہی حل ہوتے ہیں۔ اگر ہمیں یہ لگتا ہے کہ ہم اکیلے ہی مسائل کا سامنا کرتے رہیں گے اور مسائل خود ہی حل ہو جائیں گے تو ایسا ہرگز نہیں ہوتا ہے۔ نہ تو مسائل پیدا کرنے والے انسان تھکتے ہیں نہ ہی مسائل تھک ہار خود سے حل ہوتے ہیں۔ "

دادی میں آپ کو اور بھائی کو خود سے بدگمان ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں اسی لیے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہتی۔" وہ جانتی تھی اب " مزید جھوٹ بولنا ناممکن تھا۔ اسی لیے اس نے سچائی کا اعتراف کرنا چاہا تھا۔

اگر تمہیں ایسا لگتا ہے کہ اخیار اور میں تم سے کبھی بدگمان ہو سکتے ہیں تو بالکل غلط لگتا ہے۔ تم ایک بات جان لو کہ چاہے تمہاری " کوئی غلطی ہو یا نہ ہو تمہاری دادی اور تمہارا بھائی تمہیں ہمیشہ سپورٹ کریں گے۔" دادی نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

بے شک آپ مجھے سپورٹ کریں گے لیکن میرے بتانے سے بہت کچھ ختم ہو جائے گا دادی۔ آپ کا اور بھائی کا مجھ پر اعتبار کرنا، " مجھے ایک اچھی لڑکی سمجھنا، مجھ سے محبت کرنا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا یونیورسٹی جانا بھی ختم ہو جائے۔" وہ اپنی آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسوؤں کو بے دردی سے پونچھتے ہوئے بولی تھی۔

Urdu Novels Ghar

"تمہیں کیوں لگ رہا ہے کہ تمہارے بتانے سے سب خراب ہی ہو گا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے بتانے سے سب ٹھیک ہو جائے۔ کیا تم اپنی دادی پر اعتبار نہیں کر سکتی۔" دادی کے اتنی آس سے پوچھنے پر منت نے سب کچھ داؤ پر لگا کر دادی کو سب کچھ سچ بتانے کا سوچا تھا۔

"دادی آپ کو یاد ہے کچھ عرصہ پہلے ہماری ایک یونیورسٹی فیلو کی برتھڈے تھی۔ یونیورسٹی اینڈ ہونے کے بعد ایک ہوٹل میں اس کی برتھڈے پارٹی تھی۔ اس نے سب کو انوائیٹ کیا تھا۔ میں اور باران نے بھائی سے وہاں جانے کی پرمیشن مانگی تھی لیکن انھوں نے پرمیشن نہیں دی تھی۔ آپ سے بھی پرمیشن لینے کی کوشش تھی ہم دونوں نے لیکن آپ نے بھی نہیں دی۔ باران تو مان گئی تھی کہ ہم نہیں جاتی۔ مگر میں نے ضد کی تھی اور اسے بھی تیار کر لیا تھا۔ ڈرائیور انکل کو ہم لوگوں نے پیسے دے دیے تھے اور آپ کو آ کے کہا تھا کہ یونیورسٹی میں ایکسٹرا کلاسز ہیں اور ہم ہوٹل میں برتھڈے پارٹی اٹینڈ کرنے چلی گئی تھیں۔ کیک کاٹنے کے بعد سب ایک دوسرے کے منہ پر کیک لگا رہے تھے جب ایک لڑکا مجھ سے ٹکرایا اور ہم دونوں نیچے گر گئے۔ اس لڑکے کے کسی دوست نے اسی وقت تصویر کھینچ لی۔ پارٹی کے بعد ہم لوگ گھر آ گئی تھیں۔ میں تو دو تین دن میں اس واقع کو بھول گئی تھی۔ لیکن وہ لڑکا مجھے فالو کرنے لگ گیا۔ وہ ہماری ہی یونیورسٹی کا ہے لیکن ڈیپارٹمنٹ اور ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے فرینڈشپ کر لوں لیکن میں نے منع کر دیا۔ ایک دن یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں اس نے دوبارہ سے وہی بات کی میں غصے میں وہاں سے جانے لگی تھی لیکن اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ پارٹی کے دوران میں نے اپنی ایک کلاس فیلو کو بتایا تھا کہ میں گھر والوں سے چوری آئی ہوں اور وہ بات اس نے بھی شاید سن لی تھی۔ اس نے کہا وہ تصویر بابا اور اخیار بھائی کو بھیج دے گا۔ پتا نہیں اس کے پاس کہاں سے بابا اور اخیار بھائی کا نمبر آیا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ ساری چیٹ کے سکرین شاٹ اور ساری تصویریں ان دونوں کو بھیج دے گا۔ لیکن دادی میں سچ کہہ رہی ہوں کہ میں نے کبھی اس سے بات نہیں کی۔ نہ ہی اس سے کبھی ملی ہوں۔ وہ سکرین شاٹ فیک ہیں اور تصویریں بھی اس نے ایڈٹ کی ہوئی ہیں۔

دادی میں نے اس سے سوری بھی کی۔ اس کی منتیں کی ہیں کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دے لیکن وہ کہتا ہے کہ جب تک وہ مجھے بابا اور بھائی سے میرے منہ پر تھپڑ پڑوا کر مجھے دن میں تارے نہ دکھا دے تب تک میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔" ساری بات بتاتے ہوئے اس کی ہچکی بندھ کی تھی۔

دادی ساری بات سن کر گویا سکتے میں آ گئی تھیں۔

دادی میرا یقین کریں میری کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں مجھے آپ سے اور بھائی سے جھوٹ نہیں بولنا چاہا تھا لیکن دادی اس ایک غلطی کے علاوہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں دادی۔" دادی کی خاموشی کو دیکھ کر اسے لگا تھا اس کے خوف سچ ثابت ہو گئے تھے۔

اس کی بات سن کر دادی نے ایکدم اسے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

تمہیں ایسا کیوں لگا کہ تمہاری دادی تم پر یقین نہیں کرے گی۔ اگر اس مسئلے میں سارا قصور تمہارا بھی ہوتا تب بھی میری محبت میں کمی نہیں آنی تھی۔ تم مجھے اس لڑکے کا نام اور ڈیپارٹمنٹ لکھ کر سینڈ کرو اور وہ جس نمبر سے فون کر کے تمہیں دھمکیاں دیتا ہے وہ بھی مجھے شیئر کرو۔ میں دیکھ لیتی ہوں اسے۔ اور پریشان بالکل بھی نہیں ہونا۔ یہ پریشانی والی بات بالکل نہیں ہے۔ پہلے بھی تم خوامخواہ پریشان ہوتی رہی ہو۔"

دادی نے اس کے ماتھے پر بوسا دیتے ہوئے کہا تھا۔

منت نے انہیں نمبر اور نام وغیرہ سینڈ کر دیا تھا۔ دادی نے وہیں بیٹھے بیٹھے وہ انفارمیشن کسی کو فارورڈ کی تھی۔ اور کال ملائی تھی۔

السلام علیکم میم۔" کال اٹینڈ ہوتے ہی ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی دوسری جانب سے انتہائی ادب اور خوشگواری کے ساتھ سلام کیا گیا تھا۔

وعلیکم السلام۔ اے ایس پی صاحب کیسے ہیں آپ؟"

الحمدللہ میم اللہ کا کرم ہے۔ آپ بتائیں کیسی ہیں؟" دوسری جانب سے ہنوز ادب سے جواب دیا گیا تھا۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں الحمدللہ۔ آپ کے گھر میں بھی سب خیریت ہے۔"

"جی جی اللہ کا شکر ہے۔ سب خیریت ہے۔"

بیٹا مجھے آپ سے ایک کام تھا اسی لیے کال کی تھی۔" رسمی گفتگو کے بعد وہ کام کی بات پر آئی تھیں۔"

منت خاموشی سے ان کے پاس بیٹھی ساری گفتگو سن رہی تھی۔

"آپ حکم کریں میم۔ میرے لیے تو یہ بہت اعزاز کی بات ہو گی کہ میں کے کسی کام آ سکوں۔"

سونائس آف یو بیٹا۔میں نے آپ کو ایک لڑکے کی انفارمیشن واٹس ایپ کی ہے۔اس کی تو ذرا خاطر تواضع کیجیے گا۔اور اسے اچھے " سے سمجھائیے گا کہ کسی کو ہراس کیسے کرتے ہیں۔اس لڑکے کی طرف میرا کچھ ذاتی حساب نکلتا ہے۔کچھ عرصے کے لیے حراس منٹ کے کیس میں اسے اندر کر دیں۔اور جب باہر آئے تو اسے اچھے سے پتا ہونا چاہیے کہ لڑکیوں کی عزت کیسے کرتے ہیں۔"وہ بات کرتے ہوئے اپنے غصے کو روک نہیں پائی تھیں۔

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں میم۔میں اس کا اسپیشل ٹریٹمنٹ کروں گا۔ "

"شکریہ بیٹا۔ "

نہیں میم شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ مت کریں۔آپ میری ٹیچر ہیں اور میرے لیے بے حد خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اپنے " "کسی کام کے لیے مجھے یاد کیا۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد دادی نے خدا حافظ بولتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔

یہ کون تھا؟"منت نے تجسس سے پوچھا تھا۔ "

یونیورسٹی میں سٹوڈنٹ تھا میرا۔گریجویشن کے بعد اس نے سی ایس ایس کا ایگزام دیا اور اے ایس پی بن گیا۔"دادی اسے بتا رہی " تھیں تبھی باران کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔

آؤ آؤ باران بیٹا۔اچھا ہوا تم بھی آ گئی۔"دادی کے اتنی سنجیدگی سے بلانے پر باران نے منت کی طرف دیکھا تھا جس نے نظروں " سے ہی اسے سب کچھ بتا دینے کی اطلاع دی تھی۔

دادی منت نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں کسی کو نہ بتاؤں۔اسی لیے آپکے پوچھنے پر میں نے آپ کو نہیں بتایا۔"باران آہستگی سے " اپنی صفائی میں بولی تھی۔

تمہیں اس سے زیادہ اس کا وعدہ عزیز تھا؟اگر یہ مجھے نا بتاتی تو وہ لڑکا تو اس کی زندگی بھی برباد کر سکتا تھا کیا پھر بھی تمہیں اپنا وعدہ " " نبھانے پر کوئی پچھتاوا نہ ہوتا؟

دادی کے سوال اسے شرمندگی کے گڑھے میں دھنسا رہے تھے۔اس کے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا۔

بیٹا میں خود سٹوڈنٹ بھی رہی ہوں ایسے کئی گھٹیا لوگوں کے ساتھ پڑھتی رہی ہوں اور پھر بعد میں ایسے کئی گھٹیا لوگوں کو پڑھایا بھی ہے۔"

میری زندگی کا بہت لمبا عرصہ ان ایجوکیشن انسٹیٹیوٹز میں گزرا ہے۔ اور میرا تجربہ کہتا ہے کہ آج کی جنریشن کا سب سے بڑا مسئلہ جنریشن گیپ ہے۔ ماں باپ اور اولاد کے درمیان اتنے زیادہ فاصلے ہیں کہ نہ تو اولاد ماں باپ کو اپنا مسئلہ بتا سکتی ہے نہ ہی ماں باپ اولاد کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔

اصل میں ماں باپ تین کیٹگری کے ہوتے ہیں۔ پہلی کیٹیگری میں وہ ماں باپ آتے ہیں جو اولاد کو پیدا تو کر لیتے ہیں لیکن بعد میں اولاد چاہے مرے جیے، اچھی صحبت میں رہے، بری بنے ان کی بلا سے بھاڑ میں جائے ان کو بس اپنی زندگی اور اپنے عیش و آرام کی پرواہ ہوتی ہے۔ دوسری کیٹیگری میں وہ ماں باپ آتے ہیں جو اپنی اولاد کے صرف عیش و آرام کی ہی پرواہ کرتے ہیں، ان کی ہر فرمائش ہر ضد پوری کرتے ہیں، لیکن انہیں دنیا کی ہر سہولت دینے کے لیے خود کو اتنا مصروف کر لیتے ہیں کہ کبھی انہیں اپنے پاس بٹھا کر ان سے یہ نہیں پوچھتے کہ کیا ان کی زندگی میں کوئی مسئلہ ہے جسے سمجھنے اور حل کرنے کی انہیں ضرورت ہے۔ اور تیسری کیٹیگری میں وہ ماں باپ آتے ہیں جو اپنی اولاد کو ہر سہولت دیتے ہیں ہر طرح سے تربیت کرتے ہیں، ان سے پوچھتے بھی ہیں کہ کیا انہیں کوئی مسئلہ تو نہیں۔ لیکن اصل مسئلہ ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو انسان نہیں فرشتہ سمجھتے ہیں۔ اگر بدقسمتی سے اولاد سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی تربیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس کے پاس اتنا حوصلہ ہی نہیں ہوتا کہ اپنی غلطی کو اپنے ماں باپ کے سامنے قبول کر کے انہیں اپنے مسئلے سے آگاہ کر سکے۔ اور اگر ماں باپ کو خود ہی اس مسئلے کا اندازہ ہو جائے تو وہ تربیت اور اعتبار کے ٹوٹنے کا بدلہ اس طرح لیتے ہیں کہ اولاد کا مسئلہ سمجھتے ہوئے انہیں اس مسئلے سے نکالنے کے لیے گلے سے نہیں لگاتے بلکہ اس کی غلطی پر اولاد کا گلہ دبا دیتے ہیں۔ اور گلہ دبانا صرف جان سے مارنا نہیں ہوتا بلکہ گلہ دبانا اولاد کے خوابوں کا گلہ دبانا بھی ہوتا ہے۔ ایسے ماں باپ چاہے جتنے اسلامی ہوں لیکن یہ بات کبھی نہیں سمجھتے کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو اپنے ہر عمل ہر خطا کے لیے وہ خود اللہ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ وہ ان کی کسی غلطی کے ذمہ دار نہیں رہتے۔ اللہ انہیں ان کی غلطیوں پر سزائیں دینے کا حق رکھتا ہے لیکن وہ انہیں سزا دینے کا حق نہیں رکھتے۔ لیکن ایسے ماں باپ یہ بات سمجھ جائیں تو اولاد کو بھلا کسی مسئلے کا سامنا ہی کیوں کرنا پڑے۔"

دادی سانس لینے کے لئے رکی تھی۔ منت اور باران دم سادھے انہیں سن رہی تھی۔

"پتا ہے میں نے طرح طرح کے لوگوں سے، سٹوڈنٹ سے ڈیل کیا ہے اور پھر میں نے اپنی زندگی میں خود سے عہد کیا کہ کم از کم میرے گھر میں میرے ہوتے ہوئے تو کبھی بھی کوئی اپنے کسی مسئلے سے اکیلے لڑتے لڑتے خود کو نہیں تھکائے گا۔ تم لوگوں کو میں نے ہمیشہ اس گھر میں آزاد ماحول میں رکھا ہے کیوں کہ تم دونوں کی دادی میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ تم دونوں کے غلط ہونے کے باوجود بھی تم دونوں کو اپنے گلے سے لگانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ تم دونوں کے ماں باپ چاہے تم لوگوں کو اتنا وقت نہیں دیتے جتنا تم لوگوں کا حق ہے لیکن میں نے اپنا سارا وقت تم لوگوں کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں دیا۔" بولتے بولتے دادی کا سانس پھولنے لگا تھا۔

"آئی ایم سوری دادی۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے تھا لیکن میں ڈر گئی تھی۔" منت روتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں دادی۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اس کے فضول سے وعدے کو نبھاتے ہوئے آپ سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے تھا۔" باران بھی روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی تھی۔

دادی نے محبت سے دونوں کو سمیٹ لیا تھا۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ دونوں سمجھ چکی تھیں کہ آئندہ انہیں اپنی دادی سے کچھ نہیں چھپانا تھا۔

زونائیشہ جانتی تھی اس نے ڈیوٹی آوورز کتنی مشکل سے پورے کیے تھے۔ اس کے دل کی بے چینی حد سے بڑھ چکی تھی۔ اور اسکی چھٹی حس اسے بار بار کچھ برا ہونے کا آلارم دے رہی تھی۔ مسلسل آیت کریمہ کا ورد کرتے ہوئے اس نے بڑی مشکل سے وقت گزارا تھا اور جب وہ گھر پہنچی تھی تو گویا ایک قیامت اس کی منتظر تھی۔ اس کے سارے خدشے درست ثابت ہوئے تھے۔ اس کے اکیلے چھوڑ کر جانے پر اس کی ماں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ گھر کے صحن میں ان کی میت پڑی دیکھ کر اسے لگا تھا کہ وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔ مگر سانس تھا کہ پھر بھی آ رہا تھا۔ اس کی ماں اس کے سامنے مری پڑی تھی مگر وہ پھر بھی زندہ کھڑی تھی۔ اور پھر وہ اپنے ہوش گنواتے ہوئے چیختے چلاتے ان کے مرے ہوئے وجود سے لپٹ گئی تھی۔ مگر نہ تو انہوں نے اٹھنا تھا نہ ہی وہ اس کی چیخ پکار سن کر اٹھی تھیں۔ گاؤں کی عورتیں بین کر رہی تھیں، کمرے کے اندر پڑی ساکت کتابوں نے بھی ان عورتوں کی طرح بین کرنا چاہا تھا۔ صحن میں کھڑے سکھ چین کے پودے نے بھی گاؤں کی عورتوں کی طرح بین کرنا چاہا تھا۔ مگر سکھ چین کا پودا اور کمرے میں

پڑی کتابیں ساکت تھیں بالکل ان کے چارپائی پر پڑے ہوئے وجود کی طرح۔

دادی جب کمرے میں واپس آئی تھیں تو انہوں نے اخیار کو کال ملائی تھی۔ انہوں نے اخیار کو اصل بات سے آگاہ نہیں کیا تھا بلکہ یہی کہا تھا کہ منت کے ساتھ جو مسئلہ تھا وہ ان سے شئیر کر چکی ہے اور وہ اس کا مسئلہ حل بھی کر چکی ہیں۔ اخیار کے مسئلے کے متعلق پوچھنے پر انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ منت سے خود ہی پوچھ لے۔ اگر وہ بتانا چاہتی ہے تو ٹھیک ہے اگر وہ نہیں بتاتی تو دادی کو اس کے راز کی حفاظت کرنی تھی۔ اور دادی حفاظت کرنا جانتی تھی۔

دادی کی کال کٹنے کے بعد اخیار نے منت کو کال ملائی تھی۔ باران بھی پاس ہی بیٹھی تھی۔ ان دونوں کا حال احوال پوچھنے اور چند ادھر ادھر کی باتیں پوچھنے کے بعد اخیار نے منت سے اس کے مسئلے کے متعلق پوچھا تھا اور منت نے بغیر کچھ چھپائے پوری سچائی کے ساتھ اسے مسئلہ سے آگاہ کر دیا تھا۔

اخیار تو اس کی بات سن کر شاکڈ تھا۔

آپ کچھ کہیں گے نہیں بھائی؟ "منت اسے خاموش دیکھ کر بولی تھی۔ "

تم نے مجھے تب کیوں نہیں بتایا جب اس لڑکے نے تمہیں تنگ کرنا شروع کیا تھا؟ "شاک سے نکلتے ہوئے اخیار نے بڑی سنجیدگی " سے سوال کیا تھا۔

مجھ میں آپ کو بتانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ میں ڈر گئی تھی۔ "اس نے سچائی سے جواب دیا تھا۔ "

سیریسلی منت۔۔؟ میری کس بات نے تمہیں مجھ سے ڈرانے پر مجبور کر دیا تھا؟ "اس کے کیے گئے سوال پر وہ لاجواب ہوئی تھی۔ "

وہ صحیح تو پوچھ رہا تھا۔ اس نے تو ہمیشہ ان دونوں کے ساتھ بھائی سے زیادہ دوستوں والا رویہ رکھا تھا۔ جس سے وہ ہر بات کہہ لیتی تھیں۔

اس سب کی بنیاد میری غلطی تھی۔ مجھے لگا تھا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہی مجھے ویسے پیار کر سکیں گے جیسے آپ " کرتے ہیں۔ "وہ شرمندگی سے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے بولی تھی۔ باران چپ چاپ اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"منت جب کوئی غلطی کرتا ہے اور اس پر شرمندہ ہوتا ہے تو اس پر اعتبار ٹوٹتا نہیں ہے بلکہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس کی شرمندگی ہی اس بات کا ثبوت ہوتی ہے کہ آئندہ وہ ایسی غلطی کبھی نہیں کرے گا۔" وہ بات کرتے ہوئے سانس لینے کے لئے رکا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے موبائل سکرین کو دیکھتے ہوئے اس کی بات سن رہی تھیں۔

"بائی داوے تمہیں ایسا کیوں لگا کہ میں تم سے ویسا پیار نہیں کر سکوں گا یا تم پر اعتبار نہیں کر سکوں گا؟" وہ آج اس کی سوچیں جان لینا چاہتا تھا۔

"کیوں کہ میں نے یہی سنا تھا کہ مرد کبھی بھی بہن یا بیٹی کی غلطی معاف نہیں کرتے۔ یہ ان کی انا کی تذلیل ہوتی ہے کہ ان کی بہنیں بیٹیاں ایسی غلطی کریں جس سے ان کی عزت پر کوئی حرف آئے۔ اور وہ ان کی ایسی غلطیوں پر نا تو انہیں معاف کرتے ہیں نا ہی ان پر کبھی اعتبار کرتے ہیں۔" وہ بھی کچھ چھپائے بغیر اسے اپنی سوچوں سے آگاہ کر رہی تھی۔

"بہن بیٹیاں اتنی ان ویلیو ایبل نہیں ہوتی ہیں کہ انہیں اپنی انا کی نظر کیا جائے۔ وہ بھی انسان ہوتی ہیں۔ ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں جیسے مرد سے غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان کی غلطیوں کو ساری زندگی کے لیے ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے، انہیں بے اعتبار کر دیا جائے۔ اصل مرد وہ ہوتے ہیں جو اپنی بہن بیٹیوں کی غلطیوں کو ان کی نادانی سمجھ کر معاف کر دیتے ہیں اور انہیں گلے سے لگا کر ان کی غلطیوں پر انہیں سزا دینے کی بجائے انہیں سپورٹ کرتے ہیں۔ انہیں بے اعتبار کرنے اور اپنی نفرت کا نشانہ بنانے سے پہلے ایک موقع دیتے ہیں۔ اور یہ بات سمجھتے ہیں کہ ہم اولاد آدم ہیں۔ اور غلطی کرنا ہماری فطرت میں ہے۔ جو انسانوں سے چاہ کر یا نہ چاہ کر سرزد ہونی ہی ہوتی ہے۔ اصل مرد اپنی بہن بیٹیوں کو اولاد آدم ہونے کا مارجن دیتے ہیں۔ اور تم دونوں یہ بات جان لو کہ تم دونوں کا بھائی اصل مرد ہونے کے مفہوم سے واقف ہے۔ اس لیے آئندہ تم دونوں مجھ سے کچھ مت چھپانا۔ اور یہ بات بھی اپنے ذہنوں میں بٹھا لو کہ باپ اور بھائی محافظ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بہن بیٹیوں کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اور حفاظت ہمیشہ انہی کی ہوتی ہے جو ہمیں جان سے پیاری ہوتے ہیں، جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔" اس کی باتوں کا اثر تھا کہ دونوں کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔ وہ بھلا کیسے بھول گئی تھیں کہ اللہ نے انہیں ایسے بھائی سے نوازا تھا جو بہنوں کی قدر جانتا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ مرد اپنی عورتوں کی عزت کے محافظ ہوتے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہی مرد دوسروں عورتوں کی عزت کے لیے خطرہ ہوتے ہیں۔" منت نے اپنے ساتھ ہوئے واقعہ کو سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"ویسے تم دونوں کو یاد ہے ایک بار تم دونوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی نے بھی تم دونوں سے چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ کیا تو تم دونوں سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی؟"ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لیے اخیار شرارت سے بولا تھا۔

"یقین جانیے اخیار بھائی مجھ سے کسی نے ابھی تک چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ نہیں کیا۔"باران کے معصومیت بھرے جواب پر اخیار ہنس دیا تھا۔

"اور میرا بھی یقین کریں بھائی اس لڑکے نے مجھ سے چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ نہیں کیا تھا بلکہ مجھے دن میں تارے دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ کرتا تو میں آپ کو ضرور بتاتی۔"منت نے بھی سچائی سے جواب دیا تھا۔

"تم نے بلاوجہ ہی مجھ سے چھپایا۔ ورنہ دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی بنتا ہے کیونکہ جو چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ کرتے ہیں وہ بھی اصل میں دن میں تارے دکھانے کا ہی وعدہ کر رہے ہوتے ہیں۔"وہ کچھ شرارت سے کچھ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"اسی لیے آپ نے ان سے کوئی چاند تارے توڑ کر لانے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ ڈائریکٹ ان کے گھر رشتہ بھیجا ہے۔ بائی داوے بھائیوں کو بھی اپنی بہنوں سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔ خاص طور پر اپنی محبت کے بارے میں۔"باران نے موقع پر حملہ کیا تھا۔

"باران بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ نے بھلا ہم سے کیوں چھپایا کہ آپ کسی سے محبت کرتے ہیں۔ جب امی، چچی اور دادی شادی کے لیے کہتی تھیں تب آپ نے انھیں بھی نہیں بتایا۔"منت نے بھی شکایت کی تھی۔

"ارے یار میں کیا بتاتا کہ مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور مجھے خود بھی نہیں پتا کہ وہ کون ہے کہاں ہیں۔ جب دو سال بعد اس کے بارے میں پتا چلا تھا تو پھر دادی سے نہیں چھپایا تھا بتا دیا تھا نہیں۔"اخیار نے اپنی صفائی پیش کرنی چاہی تھی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن مجھے ایک بات پر اعتراض ہے کہ دو سال میں ہم نے کبھی آپ کو مجنو بنے ہوئے کیوں نہیں دیکھا، نہ ہی کبھی ہفتوں سے بڑھی ہوئی آپ کی شیو دیکھی نہ ہی آپ کبھی دکھی آتمہ بنے نظر آئے۔"منت نے تفتیشی انداز میں پوچھا تھا۔

"اور مجھے ایسا نظر کیوں آنا تھا؟"اخیار نے ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔

"جو لڑکے اپنے گھر والوں کو اپنی محبت کے بارے میں نہیں بتاتے ان کے ایسے انداز بتاتے ہیں کہ انہیں محبت ہو گئی ہے۔"

"اور لڑکیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ کیسے انداز اپناتی ہیں؟"اس نے تجسس سے سوال کیا تھا۔

"لڑکیوں کے بارے میں میری رائے کافی مختلف ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر اور بات کر سکتے ہیں تو پھر آپ کو تفصیل سے بتاتی

ہوں۔"وہ اب بھرپور سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں میں فری ہوں اس وقت۔تم بتاؤ اپنی رائے۔ "

میرا خیال ہے کہ لڑکیوں کو جب محبت ہو تو انہیں ریسپکٹ فل طریقے سے اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دینا چاہیے۔جیسے قرآن کریم " میں حضرت موسیٰ والے قصے میں مدین میں دو بیٹیوں تھیں اور ان میں سے ایک نے اپنے باپ کو آگاہ کیا تھا۔اور پھر اس کے باپ نے اس کی شادی حضرت موسیٰ سے کرا دی تھی۔دین اسلام اتنا تنگ نظر دین نہیں ہے جتنا تنگ نظر لوگوں نے اسے بنا کر پیش کر دیا ہے۔آج سے چودہ سو سال پہلے صحابہ کرام اور صحابیات اکھٹے کاروبار کرتے تھے،ان کا ایک دوسرے سے انٹریکٹ ہوتا تھا۔جب ساتھ کام کرتے تھے تو ظاہر ہے ایک دوسرے سے بات بھی ہوتی تھی مگر جب ان میں سے کسی صحابی کو کوئی صحابیہ پسند آتی تھی تو وہ سہیلی صحابیہ سے کہتے تھے کہ وہ انہیں پسند کرتے ہیں ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور اگر صحابیہ انکار کر دیتی تھیں تو بات وہیں ختم ہو جاتی تھی اگر انہوں نے ہاں کرنی ہوتی تھی وہ کہتی تھیں میرے باپ سے اس متعلق بات کرو۔اور جب صحابہ باپ سے بات کرتے تھے تو باپ کا یہی جواب ہوتا تھا کہ بیٹی کے سے پوچھ کر جواب دیں گے۔اور اگر آج کے دور میں دیکھیں اور کوئی لڑکا کسی لڑکی سے شادی کی خواہش ظاہر کرے تو وہ اس سے یہی کہتی ہے کہ پلیز میرے باپ سے بات مت بات کرنا۔اور اگر کوئی عزت کے ساتھ باپ کے پاس پروپوزل لائے تو باپ بیٹی کی رائے مانگنے کی بجائے بیٹی کے بارے میں اپنی رائے دیتا ہے کہ تمھیں اس لیے یونیورسٹی بھیجا تھا،اس لیے تمہیں جاب کی اجازت دی تھی۔اگر وہ لوگ دین اسلام کو سمجھیں اسے جانچیں تو انہیں یہ بات سمجھ آئے کہ کسی کا ان کی بیٹی کو پسند کرنا یا اس کے نکاح کرنے کی خواہش کرنا غلط نہیں ہے۔اور اگر بیٹی بھی کسی سے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کی خواہش کرتی ہے تب بھی یہ بالکل غلط نہیں ہے۔"بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔چند لمحوں میں اپنا سانس نارمل کرنے کے بعد اس نے دوبارہ سے بولنا شروع کیا تھا۔

امہات المنین میں مجھے جو سب سے زیادہ انسپائر کرتی ہیں وہ حضرت خدیجہ ہیں۔وہ اپنے قبیلے کی سب سے زیادہ پاورفل خاتون " تھیں۔ان کا اپنا بزنس تھا۔یوں سمجھیں ہمارے جدید دور کے مطابق وہ سی ای او تھیں۔اور اس دور میں انھوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے پروپوزل بھیجا تھا۔اور میرے خیال کے مطابق ان کی پرسنیلٹی میں ان کی کہانی میں آج کے مردوں کے لئے سب سے اہم سبق ہے۔اور وہ سبق یہ ہے کہ اپنی بیٹیوں کو یہ مت سکھائیں کہ وہ اونچے خواب نہیں دیکھ سکتی یا ان کے دماغوں میں

یہ مت بتائیں کہ وہ کچھ بڑا نہیں کر سکتی وہ بھی صرف اس لیے کیوں کہ وہ مرد نہیں ہیں۔ مردوں کو چاہیے کہ اپنی بیٹیوں کو امہات المومنین کے قصے سنائیں انہیں صحابیات کے بارے میں بتائیں کہ وہ کس طرح مردوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے مردوں کو ڈیل کرتی تھیں۔ اور اپنی بیٹیوں کے صرف عورت ہونے کی وجہ سے یا گھر کی چار دیواری سے باہر مردوں کی موجودگی کی وجہ سے انہیں ان کے خواب پورے کرنے سے نا روکیں۔ "وہ عورتوں کے بارے میں بات کرتے کرتے بات کو پھر سے مردوں پر لے گئی تھی۔

اس کے چپ ہونے پر اخیار نے مسکرا کر ستائشی نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

آئی ایم ایمپریسڈ۔ "اس نے مسکرا کر پورے دل سے کہا تھا۔ "

ویسے میں ابھی اور بھی بول سکتی ہوں۔ "منت نے بتانا ضروری سمجھا تھا۔ "

میں ہمہ تن گوش ہوں۔ "اخیار نے اسی مسکراہٹ سے جواب دیا تھا۔ "

میں بھی۔ "باران نے بھی چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا تھا۔ "

مگر اس سے پہلے کہ منت کچھ بولتی دادی ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

زونائیشہ کی امی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ سب لوگ ادھر جا رہے ہیں تم دونوں بھی جلدی آ جاؤ۔ "دادی انہیں اطلاع دے کر واپس " چلی گئی تھی۔ منت اور باران کی مسکراہٹ سمٹ چکی تھی جبکہ یہ خبر سن کر فون کی دوسری جانب سات سمندر پار بیٹھے اخیار کا دل سکڑا تھا۔ اسے زونائیشہ ابراہیم کی تکلیف محسوس ہوئی تھی مگر وہ اتنی دور بیٹھ کر اس کی تکلیف محسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ان کی تدفین کے بعد سب لوگ اپنے گھروں کو لوٹنے لگے تھے۔ اخیار کے گھر والے تدفین سے کافی دیر بعد گھر لوٹے تھے۔ سب نے اسے دلاسہ دینے کی اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کی تھی مگر یہ دکھ ایسا تھا جو اب ساری زندگی کم نہیں ہونا تھا۔ اسے کوئی ہوش نہیں تھا کہ کون اسے کیا کہہ رہا تھا۔ اس کی دماغی حالت کے پیش نظر دادی نے اسے سکون کی دوا دلا کر سلا دیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر اس کی چچی اور تائی کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ گھر لوٹ گئیں تھیں۔ زونائیشہ کے دکھ پر سبھی دکھی تھی۔ وہ سب چاہ کر بھی اس کی اذیت کم نہیں کر سکتے تھے۔

زونائیشہ کی آنکھ معمول کے مطابق فجر کے وقت کھلی تھی۔ امی کو وضو کرانے اور خود نماز پڑھنے کی جلدی میں وہ اٹھی تھی اور پھر وہ سب کچھ یاد آنے پر وہیں گر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے گرنے لگے تھے۔ کل تک جو اس کے ساتھ سوتی تھیں آج وہ منوں مٹی تلے سو رہی تھیں۔ اس نے روتے روتے وضو کیا تھا اور نماز ادا کی تھی۔ سورہ یاسین کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی ہچکی بندھ چکی تھی۔ وہ جب سے اپاہج ہوئی تھیں تب سے فجر کے بعد زونائیشہ ان کے پاس بیٹھ سورہ یاسین کی تلاوت کرتی تھی مگر قرآن پاک کی تلاوت وہ ہمیشہ خود کیا کرتی تھیں۔ مگر آج وہ اس کی تلاوت سننے کے لیے وہاں موجود نہیں تھیں۔

اخیار نے عشا کی نماز پڑھنے کے بعد حاجت کے دو نفل کی نیت باندھی تھی۔ نفل پڑھ کر اس نے ہمیشہ کی طرح تیسویں پارے کی چند مخصوص سورتیں اور درود تاج پڑھا تھا اور پھر آیت الکرسی پڑھ کر سب گھر والوں کو اور زونائیشہ کو تصور میں لاتے ہوئے ان پر پھونک ماری تھی۔ یہ عادت دادی نے اسے بچپن میں سکھائی تھی۔ اور جب سے اس نے پوری طرح نماز پڑھنا شروع کی تھی وہ ہر نماز کے بعد چند سورتیں، درود تاج اور آیت الکرسی پڑھ کر سب کو تصور میں لاتے ہوئے ان پر پھونکتا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کب اس کے سب اپنوں کے ساتھ زونائیشہ بھی اس کے تصور میں ابھرنے لگی تھی اور وہ سب کی طرح اس کو بھی تصور میں لا کر اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکنے کا عادی ہو گیا تھا۔ اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تھے۔ اس نے اللہ سے اس لڑکی کے لیے صبر مانگا تھا جسے وہ پچھلے دو سالوں سے دعاؤں میں مانگتا آیا تھا۔ اس نے دعا کی تھی کہ اللہ اس کو صبر دے۔ اس کو ہمت دے کہ وہ اپنی ماں کے مر جانے کا دکھ سہہ سکے۔ اس کے دل کو مضبوط بنائے کہ وہ اپنی ماں کی جدائی سہہ سکے۔ وہ پہلے بھی دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا اب بھی دعا کے علاوہ اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔

تین ہفتے گزر چکے تھے اور زونائیشہ کے لیے گویا ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا۔ انشامنت اور باران کے ساتھ ساتھ دادی بھی اسے نارمل روٹین کی طرف لانے کی بہت کوشش کر چکی تھیں۔ مگر وہ کوئی بات سمجھ ہی نہیں پاتی تھی۔ دادا نے بھی اسے سمجھانے کی بہت

کوشش کی تھی کہ وہ صبر کرے۔ مگر وہ کیا کرتی صبر کرنے کے باوجود اسے صبر نہیں آ رہا تھا۔ اخیار کی امی اور چچی دو تین بعد ضرور آتی تھیں مگر انشا، دادی، منت اور باران روز آتی تھیں۔ مگر زونائیشہ کے لیے ان کا آنا یہ آنا ایک برابر تھا۔ نہ اس نے کبھی ان کے آنے کا نوٹس لیا نہ ہی ان کے جانے کا۔ وہ سارا سارا دن ایک ہی جگہ پر بیٹھے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتی رہتی تھی۔ سکھ چین کے پودے سے بھی اس نے باتیں کرنا چھوڑ دی تھیں۔ اور وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی بے اعتنائی دیکھ کر اور پھر اسے غم کا پیکر بنا دیکھ کر مزید مرجھاتا جا رہا تھا۔ کمرے کے اندر پڑی کتابیں بھی اپنی تنہائی پر روتی تھیں۔ انہیں تنہا ہونے سے پہلے ہی اپنے تنہائی کا احساس ہو گیا تھا اسی لیے انہوں نے خود کو پڑھوانا چھوڑ دیا تھا۔

اس شام سورج روٹھنے کی تیاری کر رہا تھا جب زونائیشہ کسی کو بتائے بغیر قبرستان چلی گئی تھی۔ دادا نے اسے گھر میں موجود نہ پا کر قبرستان کا رُخ کیا تھا۔ دادی، اس کی امی اور بابا کی قبریں بالکل پاس پاس تھیں وہ ان قبروں کے پاس انہیں خاموش بیٹھی نظر آئی تھی۔ اتنے دنوں سے رونے کے باعث اب اس کے آنسو جیسے خشک ہو چکے تھے۔ دادا آہستگی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے۔

" زیش بیٹا صبر کرو۔ تمہارا دکھ اور اداسی تمہاری ماں کو بے چین کرتی ہو گی۔" وہ محبت سے اسے سمجھاتے ہوئے بولے تھے۔

" کیسے صبر کروں دادا؟ صبر نہیں آتا ہے مجھے۔ آپ کو پتا ہے میں نے امی کے بغیر جینے کا تصور بھی کبھی نہیں کیا تھا اور اب میں جی رہی ہوں۔ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں مگر پھر بھی مجھے سانس آ رہی ہے۔" اس کے ہر لفظ سے اس کی اذیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"بیٹا سب کو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جانا ہے۔ جتنی سانسیں ہم سب کی لکھی ہیں وہ ہم سب کو لینی ہی ہیں۔ موت سے بھی بھلا کوئی لڑ سکا ہے۔ تمہاری ماں کا بھی دنیا میں بس اتنا ہی وقت لکھا تھا۔ تم اس بات کو قبول کر لو۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔" دادا اسے دلاسہ دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

" میں زندگی کے سارے دکھ جھیلتے آ رہی تھی۔ اور جب جہاں میرا اضبط ٹوٹتا تھا میں ماں سے لپٹ جاتی تھی۔ لیکن اب جب بھی میرا ضبط ٹوٹے گا میرے پاس لپٹنے کے لیے ماں نہیں ہو گی۔" اس کے آنسوؤں نے آنکھوں کو نم کیا تھا۔

" جب سے امی مجھے چھوڑ کر گئی ہیں مجھے لگنے لگا ہے کہ میں نے دادا جی کو، بابا کو اور امی کو اپنی ناشکری کی وجہ سے کھویا ہے۔ مجھے ہمیشہ اور رشتے چاہیے تھے۔ میں نے کبھی ان چیزوں پر ان رشتوں پر شکر نہیں کیا تھا جو مجھے اللہ نے عطا کیے تھے۔ بلکہ مجھے ہمیشہ وہی رشتے چاہیے تھے جو اللہ نے مجھے نہیں دیے تھے۔ اب دیکھیں آپ کے سوا میرے پاس کوئی رشتہ نہیں بچا۔ جن رشتوں کی محبت مجھے

چاہیے تھی ان رشتوں کا لالچ مجھے نگل گیا۔ میرے ساتھ آپ کو اور امی کو بھی بدترین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے دادا۔ میری وجہ سے سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میری کہانی میں کوئی اور ولن نہیں ہے بلکہ اپنی کہانی کی میں خود ولن ہوں۔"

"زیش یہ سب تمہاری منفی سوچیں ہیں۔ قسمت میں سب ایسے ہی لکھا تھا اور یہ سب تب بھی ایسے ہی ہونا تھا جب تم شکر کرتی اور کسی اور رشتے کی چاہ نہ کرتی۔" دادا اسے سمجھا رہے تھے۔

"انسان کو بنانے کے لیے جو مٹی گوندھی گئی تھی اس پر چالیس دن میں سے انتالیس دن دکھ کی بارش برسی تھی اور صرف ایک دن سکھ کی بارش برسی تھی۔ یہ دکھ بھی رزق کی طرح ہماری زندگیوں کا حصہ ہوتے ہیں انہیں ہم تک پہنچنا ہی ہوتا ہے۔ ہم ان کی پہنچ سے بچ نہیں سکتے لیکن ہم ان کی پہنچ سے نکل تو سکتے ہیں۔"

"لیکن دادا میں ہی کیوں۔ میرے ساتھ یہ سب کیوں؟" اسے صبر نہیں آ رہا تھا اسی لیے زبان پر شکوے آ رہے تھے۔

"آج تمہیں ایک قصہ سناتا ہوں۔ ایک اللہ کا برگزیدہ بندہ تھا۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ آخر دنیا میں اتنی دکھ، اتنی تکالیف کیوں ہیں۔ مجھے ایسی جگہ کا بتائیں جہاں مجھے کوئی دکھ تکلیف نہ ہو۔ مجھے دنیا میں کسی اذیت کا سامنے نہ کرنا پڑا۔ وہ برگزیدہ بندہ پوچھنے لگا کہ اللہ کو مانتے ہو؟ وہ شخص بولا بالکل مانتا ہوں۔ اس نے پھر سے اس شخص سے پوچھا کہ امتِ محمدی سے ہو؟ اس شخص نے کہا الحمدللہ امتِ محمدی سے ہوں۔

وہ اس شخص سے کہنے لگا کہ پھر ان کے حالات زندگی سے بھی واقف ہو گے۔ اس شخص نے جواب دیا جی واقف ہوں۔ تو وہ برگزیدہ بندہ کہنے لگا کہ جو ہستی اللہ کو سب سے زیادہ پیاری ہے، جس کے لیے یہ دنیا تخلیق کی گئی، جو عرش معلی پر نعلین مبارک کے ساتھ جائیں، موسی طور پر جائیں تو انہیں حکم تھا کہ جوتے اتار کر جائیں اور وہ اللہ سے ملاقات کے لیے جائیں تو نعلین مبارک کے ساتھ جائیں۔ اس ہستی کو اس دنیا میں اتنی تکالیف ملی ہیں تو پھر ہم یہ سوال کرنے والے کون ہوتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں کسی دکھ یا تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ ہمیں دنیا میں کوئی اذیت نہ پہنچے۔" دادا اسے قصہ سنا کر خاموش ہو گئے تھے۔

وہ بھی خاموش بیٹھی تھی۔ دادا کے قصے نے اسے واقعی خاموش کرا دیا تھا۔ لیکن اب اس خاموشی میں صبر تھا شکوہ نہیں تھا۔ دل میں عجیب سا سکون اترا تھا جس نے اتنے دن سے اس کے دل میں ڈیرے ڈالے غم اور بے سکونی کو مات دے دی تھی۔

"دادا گھر چلیں۔" اندھیرا پھیلتے دیکھ کر وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

Urdu Novels Ghar

داداا سے پر سکون دیکھ کر پر سکون ہوئے تھے اور ان سب قبروں پر الوداعی نظر ہوئے اس کے ساتھ چل پڑے تھے۔

دادی اخیار سے کال پر بات کر رہی تھی۔ جب انہوں نے اس کی واپسی کا پوچھا تھا۔

دادی مجھے کچھ دن مزید لگ جائیں گے۔ لیکن میں ابھی شیور نہیں ہوں کہ کتنے دن اور رکنا پڑے گا یہاں۔" وہ انہیں صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ "

بیٹا میں چاہتی ہوں تم جلد واپس آ جاؤ تا کہ ہم جلد زونائیشہ کو اپنے گھر لے آئیں۔ وہاں اس کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس مشکل وقت میں اسے اپنوں کی ضرورت ہے۔" "

دادی میں واپس آ جاؤں تو نا جانے پھر دوبارہ یہ موقع ملے یہ نہ ملے۔ اگر میں یہاں رک جاؤں تو نہ جانے کتنے لوگوں کا فائدہ ہو جائے گا۔ کئی جانوں کا سوال ہے۔ کچھ کیسز کو ایمر جنسی میں ہم اپنے پاس تمام میڈیکل انسٹرومنٹ نہ ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے ہاسپٹل میں ریفر کرتے ہیں وہ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنی جان گنوا دیتے ہیں۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ وسیلہ بنا رہا ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میں واپس آ کر کسی کو دکھ سے نکالنے کے لیے اور کوئی لوگوں کے ایسے دکھ کا سبب بن جاؤں۔" "

دادی اس کی بات سمجھ چکی تھیں اسی لیے اس کی واپسی کے متعلق مزید کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ بلکہ تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد کال کاٹ دی تھی۔

اس شام کو قبرستان سے آنے کے بعد زونائیشہ نے خود کو بہت حد تک سنبھال لیا تھا۔ اس نے دوبارہ سے جاب پر جانا شروع کر دیا تھا۔

انشا اب ایک دو دن کے بعد چکر لگاتی تھی جب کہ منت اور باران یونیورسٹی سے آنے کے بعد باقاعدگی سے دادی کے ساتھ آتی تھیں۔ زونائیشہ کا رویہ اب پہلے کی طرح بالکل نہیں رہا تھا۔ اسے سنبھلتا دیکھ کر دادی کو خاصی تسلی ہوئی تھی۔

چار ہفتے مزید گزر چکے تھے۔ اس دن وہ سکھ چین کے پودے کے پاس بیٹھے اس سے امی کی باتیں کر رہی تھی جب اسے اپنے طے شدہ

رشتے کا خیال آیا تھا۔ اس نے اپنی امی سے اس فیملی کے متعلق پوچھنا تھا لیکن قدرت نے اسے یہ موقع نہیں دیا تھا۔ ابھی وہ اس نا معلوم طے شدہ رشتے کے متعلق سوچ رہی تھی جب اسے انشا کی کال آئی تھی۔ وہ باقاعدگی سے چاہے آتی نہیں تھی لیکن باقاعدگی سے اسے کال ضرور کرتی تھی۔ حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے بات جاری رکھنے کے لیے پوچھا تھا۔

"کیا کر رہی تھی؟ "

امی جو رشتہ طے کر کے گئی تھیں اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔ مجھے تو پتا ہی نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اب دادا سے پوچھنے کا سوچ رہی ہوں۔" وہ بغیر چھپائے نارمل لہجے میں بولی تھی۔

آر یو سیریس زیش؟ تمہیں واقعی نہیں پتا کہ وہ کون ہے جس سے آنٹی اور دادا نے تمہارا رشتہ کیا تھا؟" وہ شاک کی کیفیت میں بولی تھی۔

نہیں مجھے نہیں پتا ہے۔" اس نے اپنی لاعلمی سے آگاہ کیا تھا۔

انشا اسے بتاتے بتاتے چپ کر گئی تھی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بات سے لاعلم ہو گی۔ انشا نے اسے خود بتانے کی بجائے اس کے دادا سے پوچھنے والے فیصلے پر حوصلہ افزائی کی تھی اور تھوڑی دیر اس سے بات کرنے کے بعد کال کاٹ کی تھی۔ اور اس کے بعد اس نے اخیار کو کال کی تھی مگر اس نے کال نہیں اٹھائی تھی۔ انشا نے اس کے لیے وائس میسج چھوڑ دیا تھا جس میں اس نے زونائیشہ کی لاعلمی کے متعلق بتایا تھا۔ اخیار نے جب وہ میسج سنا تھا تو اسے بھی اتنا ہی شاک لگا تھا۔ اس نے میسج سنتے ہی انشا کو کال کی تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ مدعے پر آیا تھا۔

"اگر وہ لاعلم ہے تو اس کا مطلب اس کی امی اور اس کے دادا نے اس سے پوچھے بغیر رشتہ کے لیے ہاں کر دی تھی۔"

"تمہیں اس کی لاعلمی سے مسئلہ ہے یا اس سے نا پوچھے جانے سے مسئلہ ہے؟ "

مجھے دونوں باتوں سے مسئلہ ہے۔ خیر تم نے دادی یا گھر میں تو کسی کو نہیں بتایا؟" اس نے جواب دینے کے ساتھ ساتھ سوال بھی کیا تھا۔

"نہیں میں نے نہ تو تمہارے گھر والوں کو زونائیشہ کی لاعلمی کے متعلق بتایا ہے اور نہ ہی زونائیشہ کو تمہارے متعلق کچھ بتایا ہے۔ "

"گڈ۔۔ میں خود اسے اس رشتے سے آگاہ کروں گا اور اس کی رضا بھی پوچھ لوں گا۔ "

اوکے جیسے تمہیں ٹھیک لگے۔میں نے تو اپنی دوست سے دوستی نبھانے کی بجائے تمہیں بتایا ہے۔بائی داوے تمہارے ارادے کیا " ہیں؟" اس نے احسان جتانے کے ساتھ ساتھ پوچھا تھا۔

میری کچھ دیر بعد کی فلائیٹ ہے۔اور چار دن بعد زونائیشہ کی برتھڈے ہے۔اس کی برتھڈے پر اسے آگاہ کرنے کے ساتھ اس " کی رضا جاننے کا ارادہ ہے۔" اس نے اسی وقت پلین بنایا تھا اور اسے آگاہ بھی کر دیا تھا۔

تمہیں اس کی برتھڈے کا کیسے پتا چلا؟" انشا نے حیرت سے پوچھا تھا۔ "

"سکول میں اس کے ڈاکومنٹس دیکھے تھے وہاں سے پتا چلا۔ "

چار دن بعد اس کی برتھڈے نہیں ہے۔اس کی رئیل برتھڈے گزر چکی ہے۔" انشا نے افسوس سے اسے اطلاع دی تھی۔ "

اخیار کو بھی یہ سن کر خاصا افسوس ہوا تھا مگر وہ اپنے افسوس کو خاطر میں نہیں لایا تھا۔

فیک برتھڈے منانے پر اس کے ساتھ باقی ساری رئیل برتھڈیز منانے کا پرمٹ ملے تو ایک فیک برتھڈے منانے میں کیا حرج " ہے۔"

انشا کو اس کی بات خاصی پسند آئی تھی۔اس کی مدد کا وعدہ کرتے ہوئے انشا نے کال کاٹ دی تھی۔

اخیار واپس آ چکا تھا۔اس نے سب کو زونائیشہ کی برتھڈے کے متعلق بتایا تھا۔اس کے کچھ پلین کرنے سے پہلے ہی دادی اور منت نے اسی لمحے پلیننگ کر لی تھی وہ سب لوگ زونائیشہ کی برتھڈے منائیں گے۔سب کا مشترکہ فیصلہ تھا کہ برتھڈے کے تمام ارینج منٹس گھر پر ہوں اور پھر زونائیشہ کو بلا کر اسے سرپرائز دیا جائے۔اخیار بھی ان کی بات پر راضی ہو گیا تھا وہ تو خود یہی چاہتا تھا۔

اگلے دن اخیار زونائیشہ کے دادا سے ملنے گیا تھا۔دادا نے اسے گھر کے اندر ہی بلا لیا تھا۔زونائیشہ جاب پر تھی۔فاتحہ خوانی کے بعد وہ کافی دیر بیٹھ کر دادا سے باتیں کرتا رہا تھا۔وہ جب سے آیا تھا صحن میں لگا سکھ چین کا پودا اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔اور بالآخر جب اس سے رہا نہیں گیا تھا تو اس نے دادا سے پوچھ ہی لیا تھا۔

"یہ پودا یہاں کس نے لگایا ہے؟ "

"یہ زونائیشہ نے لگایا ہے۔وہ درختوں پودوں کی خاصی شوقین ہے اور سکھ چین کا پودا تو اس کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ "

دادا کے بتانے پر اسے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ پودوں کی تنہائیوں کا احساس کرنے والی نے صرف ایک پودا کیوں لگا رہا تھا اور وہ بھی اتنا مرجھایا ہوا۔

جب وہ جانے لگا تھا تو غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے الفاظ ادا ہوئے تھے۔

کیا یہ پودا میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔اپنے گھر لگانے کے لئے۔"وہ بڑی آس کے ساتھ اجازت مانگ رہا تھا۔ "

لے جاؤ بیٹا۔جس کا پودا ہے اس نے بھی تو تمہارے گھر ہی آنا ہے۔تو تم پودا لے جاؤ یا وہ لے جائے بات تو ایک ہی ہے۔"دادا " سمجھتے ہوئے بولے تھے۔

اخیار ان کا مشکور ہوا تھا۔ڈرائیور کے ساتھ مل کر اس نے سکھ چین کا وہ پودا وہاں سے نکال لیا تھا اور گھر جا کر اسے لگا دیا تھا۔

زونائیشہ جب گھر آئی تھی تو سکھ چین کے پودے کی جگہ کھودا ہوا گڑھا اسے منہ چڑا رہا تھا۔وہ پودے کا پوچھنے کے لیے دادا کی جانب بھاگی تھی۔دادا نے اسے جواب دیا تھا کہ سکھ چین کا پودا اس کا فیانسے نکال کر لے گیا تھا۔زونائیشہ کو انتہائی غصے کے ساتھ ساتھ رونا بھی آ رہا تھا۔

وہ جو آج یہ ارادہ کر کے گھر لوٹی تھی کہ دادا سے ان لوگوں کے متعلق پوچھے گی کہ آخر وہ ہیں کون۔اپنے غصے اور بے بسی میں وہ پھر سے پوچھنا بھول گئی تھی۔

اس گھر میں اس کا واحد رازدار وہی پودا تو تھا اور وہ نامعلوم شخص اس کے رازدار کو جڑ سے اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

تین دن گزر گئے تھے اور آج شام کو زونائیشہ کی برتھڈے تھی۔تمام ارینج منٹس ہو چکے تھے۔سب لوگ اس کے لیے گفٹ بھی خرید چکے تھے سوائے منت کے۔اسے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر وہ زونائیشہ کو کیا گفٹ دے۔اخیار ہسپتال سے گھر آیا تھا۔لان سے گزرتے ہوئے وہ پچھلے دن کی عادت کو دہراتے ہوئے سکھ چین کے پودے کے پاس رکا تھا۔جس کے پتے ہرے ہو رہے تھے۔مرجھایا ہوئے پودے نے یہاں آتے ہی کھلنا شروع کر دیا تھا۔

کیسے ہو میاں؟ یہاں آکر تو تم نے کھلنا شروع کر دیا ہے۔بائی داوے یہ تمہاری مالکن یا دوست جو بھی کہہ لو اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہے کہ وہ تمہیں مجھ سے زیادہ وقت دیتی ہو گی لیکن تم پھر بھی وہاں کھلے نہیں ہو۔" وہ پچھلے تین دن کی طرح اب بھی مختصر سی بات کرتے ہوئے اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چل دیا تھا۔

سکھ چین کے پودے نے اس کی پشت کو گھورا تھا۔

اس مصروف انسان کو پتا ہونا چاہیے کہ میں سکھ چین کا پودا ہوں۔ جہاں سکھ چین دیکھتا ہوں وہیں کھلتا ہوں۔ اور میں دیکھ چکا ہوں " میری دوست کے لیے اس گھر میں سکھ چین ہے اسی لیے میں نے مرجھانا چھوڑ دیا ہے اور کھلنا شروع کر دیا ہے۔" سکھ چین کا پودا اس کی دور ہوتی پشت دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

ناجانے یہ سارے انسانوں کو بات نہ سننے کی بیماری کیوں ہے۔ اپنی سنا دیتے ہیں اور میری سنتے نہیں ہیں۔" سکھ چین کے پودے " نے خود سے ہی شکایت کی تھی۔ اس کی دوست بھی اس کی باتیں کہاں سنتی تھی اور سکھ چین کے پودے کے بقول وہ مصروف انسان بھی اس کی دوست کی طرح اس کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ بلکہ اپنی سنا کر چلا جاتا تھا بالکل اس کی دوست کی طرح۔

دادی، منت اور باران لاؤنج میں بیٹھی ایک ہی موبائل پر ٹک ٹاک دیکھنے میں مصروف تھیں۔ منت نیچے قالین پر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ میں موبائل تھا جبکہ باران اور دادی صوفے پر اس کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھی تھیں۔

وہ گانے کا کوئی کلپ تھا جس کے لیرکس کچھ یوں تھے۔

کئی دن، کئی دوپہر، کئی شام، کئی رات کی

ہر ویلے تیری گلاں

ہاتھ پیر میرے کمبدے دونوں

نال تیرے جد چلاں

ہاتھ پیر میرے کمبدے دونوں۔۔۔

اس کو جنرل ویک نیس ہے۔"باران نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ ان دونوں کو اطلاع دی تھی۔"

کس کو؟"دادی اور منت دونوں نہیں سمجھ سکی تھیں کہ وہ کس کی بات کر رہی تھی۔ "

ارے جو کہہ رہا کہ ہاتھ پیر کمبدے دونوں جد نال تیرے چلاں۔اسے ویک نیس ہے اسی لیے چلنے پر اس کے ہاتھ پاؤں کانپتے " ہیں۔"وہ جتنی سنجیدگی سے بولی تھی دادای اور منت نے ایک منٹ تک اس کی بات کو پروسس کیا تھا اور پھر ان تینوں کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا تھا۔

تم سب ذرا اپنی اپنی ویک نیس پر تو نظر ڈوراؤ۔"اخیار لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے باران کے جملہ کا آخری حصہ اور ان سب کا " قہقہہ سن چکا تھا۔اس لیے ان تینوں کو آئینہ دکھاتے ہوئے بولا تھا۔

اس کی بات سن کر ان دادی پوتیوں کا ایک بار پھر سے قہقہہ بلند ہوا تھا۔ہنسی تھمنے کے بعد باران نے اسے وضاحت دی تھی کہ وہ کسی ۔ کی ویک نیس کا مذاق نہیں اڑا رہی تھیں بلکہ گانے کا مذاق اڑا رہی تھیں

کیا بات ہے بونس کی۔"اخیار نے اس کی ذہانت کو داد دینے کے ساتھ اس کے سینس آف ہیومر کو بھی نشانہ بنایا تھا۔ "

جتنا سستا اتنا غیر معیاری۔"منت نے لقمہ دیا تھا۔ "

جب سے دادای نے اسے بولا تھا کہ وہ بونس میں مل گئی تھی تب سے اخیار اور منت اسے چھیڑنے کے لیے ایسے ہی بولتے تھے۔

دادی دیکھ لیں۔"باران نے شکایتی لہجے میں دادی سے کہا تھا۔ "

تم ان دونوں کو دفع کرو۔میرے ساتھ آؤ اور بتاؤ مجھے کہ شام کو میں کونسا ڈریس پہنوں۔"دادی صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی " تھیں۔وہ بھی ان کے پیچھے چل دی تھی مگر جاتے جاتے پیچھے مڑ کر اخیار اور منت کو منہ چڑانا نہیں بھولی تھی۔

" اخیار بھائی مجھے بھی آپ کی ہیلپ چاہیے؟ "

تم سے بھی ڈیسائیڈ نہیں ہو رہا کہ شام کو کیا پہننا ہے؟"اخیار نے سوال کیا۔ "

مجھ سے یہ ڈیسائیڈ نہیں ہو رہا کہ زونائیشہ بھابی کو گفٹ میں کیا دینا ہے۔لیکن اس مسئلے کو میں نے اس حد تک حل کر لیا ہے کہ چچی " اور امی دونوں کو کال کر دی ہے کہ اپنے بوتیک کا سب سے خوبصورت ڈیزائن والا سوٹ لے آئیں۔لیکن وہ کہہ رہی ہیں کہ میں "انہیں کلر بتاؤں۔آپ کلر والا مسئلہ حل کر دیں۔

"تم انہیں گرین کلر بول دو۔ اسے درخت اور پودے بہت پسند ہیں تو گرین کلر ہی اس کا فیورٹ ہو گا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا تھا۔

"اوہ ہووو۔۔" منت نے بڑی معنی خیزی سے اوہو کی تھی۔

"منت تمہیں یاد ہے جب میں امریکہ تھا ہم نے فون پر بڑی لمبی بات کی تھی۔ جب تم نے بتایا تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تمہاری سب سے زیادہ فیورٹ ہیں۔" اسے یاد دلاتے ہوئے اخیار نے دانستہ اس کے مسئلے کا حوالہ نہیں دیا تھا۔

"ہاں یاد ہے۔" کچھ عرصہ پہلے کی بات تھی وہ اتنی جلدی کیسے بھول سکتی تھی۔

"تم نے مردوں کے بارے میں اتنا کیسے جان لیا۔ ہماری فیملی میں ایسے مرد تو بالکل نہیں ہیں جیسے مردوں کا خاکہ تمہارے ذہین میں بنا ہوا ہے۔" وہ اس سے جاننا چاہ رہا تھا۔

"ارے اخیار بھائی وہ میں نے ہماری فیملی کے مردوں کا تھوڑی ناں بولا تھا۔ وہ تو میں نے پاکستان کے زیادہ تر مردوں کا ذکر کیا تھا۔ کیوں کہ پاکستان کے زیادہ تر مرد ایسے ہی ہیں۔ اب آپ پوچھیں گے کہ یہ بات مجھے کیسے پتا چلی تو میں خود ہی جواب دے دیتی ہوں۔ آپ کو پتا ہے میں تھوڑی آبزرونگ نیچر کی ہوں۔ اپنے آس پاس کی خبر بھی رکھتی اور نظر بھی رکھتی ہوں۔ اب میں آپ کو مثال بھی دے دیتی ہوں۔ ہمارے گھر میں جو صفائی کے لیے نسیمہ خالہ آتی ہیں ان کی بیٹی اب ان کے ساتھ صفائی کے لیے آتی ہے کیونکہ اس کی ایک کزن یونیورسٹی میں پڑھتی تھی اور اس کا کوئی لڑکے کا ایشو بنا تو اس کی کزن کو سزا کے طور گھر بٹھا دیا گیا اور ساتھ ہی یہ سزا خاندان کی باقی لڑکیوں پر کسی جرم کے بغیر لاگو کر دی گئی ہے۔ اب ان کے خاندان میں سے کوئی بھی یونیورسٹی نہیں جاسکے گی۔ سب کو اپنے خواب دفنانے پڑیں گے۔ ایسی اور بھی بہت سے مثالیں ہیں میرے پاس۔ لیکن ان مردوں کو سمجھائے کون کہ اگر کسی ایک لڑکی نے غلطی کی ہے تو اگر سزا دینا ہی ہے تو صرف اسی کو دیں۔ خاندان کی باقی لڑکیاں خود ہی اس کی سزا سے سبق سیکھتے ہوئے کوئی غلطی نہیں کریں گی۔ ناجانے کسی ایک کی غلطی کی سزا سب کو کیوں کاٹنی پڑتی ہے۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی تھی۔

اخیار اس کا جواب سن کر مطمئن ہوا تھا۔

"میں نسیمہ خالہ کے شوہر سے بات کروں گا۔ انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا شاید وہ اپنی بیٹی کو یونیورسٹی بھیجنے کے لئے مان جائیں۔"

ضرور کیجیے گا۔ اگر وہ مان گئے تو چلو کسی ایک کو تو اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہونا پڑے گا۔" وہ اس لڑکی کا احساس کرتے ہوئے بولی تھی۔

اخیار تھوڑی دیر اس کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا تھا پھر وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اپنی تسلی کے لیے اس نے سارے ارینج منٹس خود سے دیکھنے تھے۔ ابھی بہت سے کام تھے۔

سکھ چین کے پودے کی غیر موجودگی نے زونائیشہ کو مزید اداس کر دیا تھا۔ اس کے موبائل پر کال آئی تھی۔ دیکھا تو دادی کا فون تھا۔ انہوں نے اسے انوائیٹ کیا تھا۔ انہوں نے بس یہی بتایا تھا کہ کسی کی برتھڈے تھی اور اسے ضرور آنا تھا۔ منت اور باران بھی اسے فون کر کے آنے کا بول چکی تھیں۔ اس کی امی کی وفات کے بعد انشا کے علاوہ اگر کسی نے اسے اپنا سمجھ کر اس کا خیال رکھا تھا تو وہ وہی لوگ تھے۔ ان سب کے رویے نے اسے ان سب کا مشکور بنا ڈالا تھا۔ اس کے نزدیک اس کے اپنے اس کی اتنی پرواہ نہیں کرتے تھے جتنی ان لوگوں نے کی تھی۔

وہ وہاں جانا چاہتی تھی مگر پھر اسے اخیار کا خیال آیا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس کے گھر میں کوئی فنکشن ہو اور وہ وہاں نہ ہو۔ اس کی موجودگی کا سوچتے ہوئے اس نے کوئی بہانہ بنانے کو سوچا تھا۔ وہ اس شخص کو کبھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اگر نصیب میں نہیں لکھا تھا تو وہ بھی اسے دل میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہرگز اس کے گھر نہیں جائے گی۔ دادی اور منت لوگوں کو وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے منا لے گی۔ اسے امید تو یہی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہی نہیں ہوں گی۔

لان کو بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ سب لوگ تیار ہو کر لان میں پہنچ چکے تھے۔ سب کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اخیار نے سب کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ اور پھر انہیں زونائیشہ کی اس رشتے سے لاعلمی کے متعلق بتا دیا تھا۔ سبھی گھر والے شاکڈ تھے۔

کسی کو یقین نہیں آرہا تھا اسی لیے سب نے باری باری اس سے تصدیق کرنا چاہی تھی۔ دادی کے پوچھنے پر کہ اسے یہ بات کیسے پتا چلی اس نے انشا اور اپنے درمیان ہونے والی بات کے متعلق بتا دیا تھا۔ اب سبھی لوگ پریشان ہو چکے تھے۔

"ہمیں کیوں اندازہ نہیں ہوا کہ وہ اس بات سے لاعلم ہے؟" اخیار کی امی کو اپنی لاعلمی پر افسوس ہو رہا تھا۔ باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔

"ویسے ہم لوگ کسی کی فیک برتھڈے منانے جا رہے ہیں۔ کیسا لگ رہا ہے؟" باران نے ماحول کی سنجیدگی کم کرنے کے لیے مزاح کا رنگ دینا چاہا تھا۔

"بالکل رئیل برتھڈے جیسا۔" چچی نے سچائی سے جواب دیا تھا۔

"اگر وہ نہ آئیں تو؟" منت نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"ڈونٹ وری وہ ضرور آئے گی۔ کیوں کہ انشا اسے لینے گئی ہے۔" اخیار نے سب کو مطمئین کرنا چاہا تھا۔ اب سب کو زونائیشہ کا انتظار تھا۔

زونائیشہ سونے کی تیاری کرنے لگی تھی جب انشا آ گئی تھی۔ زونائیشہ سے ملنے سے پہلے وہ دادا سے ملی تھی اور ان سے کچھ بھی چھپائے بغیر انہیں ساری بات بتا کر زونائیشہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ دادا سے پہلے ہی اخیار کے گھر والے بات کر چکے تھے۔ انہیں زونائیشہ کے جانے پر کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے انشا کو بھی انکار نہیں کیا تھا۔ انشا زونائیشہ کے پاس آئی تھی۔ کام ثابت ہوا تھا۔ پندرہ منٹ تک اس کے ساتھ مسلسل بحث کرنے اور اسے جانے کے لیے راضی اسے منانا سب سے زیادہ مشکل کرنے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ مان گئی تھی۔ اور اگلے دس منٹ میں وہ تیار ہو کر انشا کے سامنے کھڑی تھی۔

انشا نے سر سے پیر تک اسے دیکھا تھا۔ فیک برتھڈے ہی سہی مگر وہ برتھڈے گرل کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی وہاں صرف اس کی برتھڈے سلیبریٹ نہیں ہونی تھی اسی لیے انشا نے اسے تھوڑا ڈھنگ سے تیار ہونے کو کہا تھا مگر وہ نہیں مانی تھی۔ انشا کو ہی اس کی بات مان کر اسے ویسے ہی اپنے ساتھ لے جانا پڑا تھا۔

زونائیشہ جب انشا کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو لان کی سجاوٹ نے اسے مسمرائز کیا تھا۔ وہ انشا کے ساتھ چلتے ہوئے ٹیبل کے قریب پہنچی تھی جہاں سب لوگ کھڑے تھے۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی پارٹی پوپرز پھاڑے گئے تھے۔ سب نے یک زبان ہو کر اسے وش کرنا شروع کیا تھا۔ اور وہ حیرت سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ سب کے ساتھ کھڑے اخیار نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی حیرت دیکھی تھی۔ یہ حسین اتفاق تھا کہ اس کے کپڑوں کا رنگ بالکل ویسا تھا جیسا پہلی ملاقات میں تھا۔ کچنار کے پھولوں جیسا رنگ۔ وہ ابھی تک حیرت کا بت بنے کھڑی تھی کہ دادی نے اسے کیک کاٹنے کا بولا تھا اور وہ حیرت سے نکلی تھی۔ اس کی نظریں منت اور باران کے ساتھ کھڑے اخیار پر پڑی تھیں۔ پولو ٹی شرٹ کے ساتھ جینز پہنے نجانے وہ واقع اتنا حسین لگ رہا تھا یا صرف اس کی آنکھوں کو لگا تھا۔

بیٹا کیک کاٹو۔" دادی نے اسے دوبارہ کیک کی جانب متوجہ کیا تھا اور وہ مکمل طور پر ہوش میں آئی تھی۔ "

لیکن آج میری برتھڈے نہیں ہے۔" ٹیبل پر پڑے کیک جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اور ساتھ ہی ٹیبل پر پڑے گفٹس پر نظر " ڈالتے ہوئے وہ تھوڑا ہچکچا کر بولی تھی۔

بیٹا ہم سب آج تمہارے برتھڈے منانا چاہتے ہیں۔" اخیار کے والد نے آگے بڑھ کر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے " کہا تھا۔

وہ تو پہلے بھی اس خاندان کے سب لوگوں کی معترف تھی مگر اب یہ سب دیکھ کر اسے تھوڑا سا عجیب لگا تھا۔ آخر اس کی فیک برتھڈے منانے کی کیا تک تھی۔ مگر وہ کیک کاٹنے سے انکار کر کے ان سب کی اپنائیت کا مذاق نہیں اڑانا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ انشا کو الجھی نظروں سے دیکھ کر کیک کاٹنے کے لیے آگے بڑھی تھی۔ اسے خیال آیا تھا کہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ انشا بھی اس کی طرح لاعلم ہو۔ ورنہ وہ انہیں بتا دیتی کہ اس کی رئیل برتھڈے گزر چکی تھی۔

اخیار پہلے ہی کیک کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ منت اور باران تھیں۔ پھر ساتھ ہی دادی کھڑی تھیں اور ان کے ساتھ اخیار کے ابو اور چاچو کھڑے تھے۔ جبکہ آگے چچی اور پھر انشا کھڑی تھی اور پھر اخیار کی امی تھیں۔ اخیار اور اس کی امی کے درمیان پہلے سے جگہ خالی تھی اور کیک کاٹنے کے لیے اسے وہیں کھڑے ہونا تھا۔ وہ ان کے درمیان میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چھری اٹھا کر کیک کاٹا تھا۔ کیک کا پیس اٹھا کر اس نے اپنے دائیں جانب کھڑی اخیار کی امی کے منہ میں ڈالا تھا۔ جنہوں نے ایک بائٹ لیتے

ہوئے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔ وہ ان کا محبت بھرا لمس محسوس کرتے ہوئے بائیں جانب مڑی تھی۔ اخیار کو دیکھ کر وہ پزل ہوئی تھی اور پھر ہمت کرتے ہوئے اس نے کیک کا ٹکڑا اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔ اور پھر اس نے سب کو باری باری کیک کھلایا تھا۔ کیک کھانے کے بعد سب نے اسے گفٹس تھمانا شروع کیے تھے۔ وہ ان کی اتنی محبت پر بے حد مشکور ہو رہی تھی۔ اس کے بابا کے جانے کے بعد فیک ہی سہی مگر یہ پہلی برتھڈے جو اس طرح منائی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ رہی تھی مگر وہ ان لوگوں کے سامنے اپنی آنکھ سے ایک آنسو بھی گرنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ سکھ چین کے پودوں کو پہلی بار نمی کو چھپاتی اس کی آنکھیں دیکھ کر برا نہیں لگا تھا بلکہ وہ مسکرا رہا تھا۔ اور پھر ایک دم سکھ چین کے پودے کو یاد آیا تھا کہ اس کی دوست نے ابھی تک اس کی وہاں موجودگی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اس نے منہ بسورتے ہوئے زونائیشہ کو ناراض نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

اخیار کے علاوہ سبھی لوگ اسے گفٹس تھما چکے تھے۔ لاشعوری طور پر اسے اخیار کی جانب سے دیے جانے والے گفٹ کا بھی انتظار تھا۔ دادای نے ملازمین کو کھانا لگانے کا بولا تھا۔ زونائیشہ نے سب کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اس کے دل میں سوال اٹھ رہے تھے آخر انہوں نے اس کی برتھڈے کیوں منائی مگر وہ سوال پوچھ کر ان کے خلوص کی توہین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے یہی سوچ کر اپنے سوالوں کو سلانا چاہا تھا کہ دادای منت اور باران نے یہ سب پلین کیا ہو گا۔ وہ تینوں تو اب اسے انشا کی طرح ہو چکی تھیں۔ وہ سب کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں جب اخیار دونوں ہاتھوں میں گملا لے کر جس میں چھوٹا سا سکھ چین کا پودا تھا اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا تھا۔ زونائیشہ کی اس جانب پشت تھی اس لیے وہ دیکھ نہیں سکی تھی مگر باقی سب اخیار کو دیکھ چکے تھے۔ چچی بات کرتے ہوئے خاموش ہو گئی تھیں اور ان کی چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ زونائیشہ کو یہی لگا تھا کہ چچی اسے دیکھ کر مسکرائیں ہیں اس لیے وہ بھی جواباً مسکرائی تھی مگر سب کے چہروں پر مسکراہٹیں دیکھ کر اور اپنی جانب دیکھتا پا کر اندازہ ہوا تھا کہ شاید اس کے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔ وہ مڑنے لگی تھی جب اخیار کی آواز اس کی پست پر ابھری تھی۔

"زونائیشہ۔ "

وہ مڑی تھی اور وہ گھٹنے بل زمین پر بیٹھ چکا تھا۔ ہاتھوں میں سکھ چین والا گملا تھام رکھا تھا۔ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر وہ سکتے میں آئی تھی۔

زونائیشہ کیا آپ اپنی زندگی کے دس پندرہ، بیس پچیس، تیس چالیس، پچاس۔۔۔ ساٹھ۔۔۔ ستر۔۔۔ اپنی زندگی کے سارے سال " میرے ساتھ گزاریں گی۔" زونائیشہ کو اس الفاظ نے بالکل ساکت کر دیا تھا۔ وہ جیسے سانس لینا بھول گئی تھی۔

Urdu Novels Ghar

میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہوں لیکن یقین مانیں میں گاڑی بہت اچھی ڈرائیو کرتا ہوں۔ آپ جب کہیں گی جہاں کہیں گی میں آپ کو " لانگ ڈرائیو پر لے جاؤں گا۔ ایک دوبار مجھے وقت ملا تھا تو میں نے انڈے والا برگر بنانا سیکھنے کی کوشش کی تھی مگر سیکھنے میں کامیاب نہیں ہوا اور پھر کبھی وقت ہی نہیں ملا لیکن یقین مانیں میں پھر بھی انڈے والا برگر بنانا سیکھنے کے لیے تیار ہوں۔ کھانا بھی میں نے کبھی سرو تو نہیں کیا لیکن آپ اگر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوں گی تو آپ کو کھانا سرو کرنے میں مجھے کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ اگر مجھے اختیار بھی بلانا چاہیں تو مجھے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں کیوں کہ مجھ پر سارے اختیار آپ کے ہی ہیں۔" وہ بول رہا تھا اور جھما کے سے زونائیشہ کے ذہن میں سارے مناظر ابھرے تھے۔

اسے سارے مناظر یاد آ گئے تھے۔ اس کو جو لگتا کہ اسے کہیں دیکھا ہے وہ غلط نہیں لگتا تھا۔ اس کی باتیں سن کر اسے یاد آ گیا تھا کہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا شخص وہی تھا جسے اس نے ٹیکسی ڈرائیور، برگر والا اور پھر ویٹر بنایا تھا۔ وہ ابھی تک سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر یہ حقیقت تھی یا خواب تھا۔

میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کی آرٹمس کے ساتھ کپل فوٹو ہو۔ جو ہم دونوں کے موبائل فونز کے وال پیپر پر لگی ہو۔ میں چاہتا ہوں " کہ اب آپ کی آنکھوں کا کاجل کبھی بھی نہ پھیلے اور آپ کے قہقہے میرے گھر گونجیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب میں مزید آپ کو تصور میں لا کر آپ پر آیت الکرسی نا پھونکوں بلکہ آپ کو اپنے سامنے پاتے ہوئے آپ پر آیت الکرسی پھونکوں۔ میں چاہتا کہ میں آپ کے ساتھ آپ کی آنے والی ہر رئیل برتھڈے مناؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاتھ میں تھاما سکھ چین کا گملا تھام لیں اور بولیں کہ آپ کو میری ہر بات قبول ہے۔" اس نے آخری جملہ اس انداز میں کہا تھا کہ وہاں کھڑے سب لوگ کو ہنسی آئی تھی۔

ہنسی کی آواز جیسے اسے ہوش میں لائی تھی۔ اس نے سامنے بیٹھے شخص سے نظریں ہٹائیں تھیں۔ وہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی۔ اس کے ذہن میں اس کی ماں کے الفاظ گونجے تھے۔ اس کا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ سامنے بیٹھا شخص اس کا خواب تھا جس نے حقیقت بننے میں بہت دیر کر دی تھی۔

میرا رشتہ طے ہو چکا ہے۔" وہ جانتی تھی اس نے جس اذیت سے اس کے تمام سوالوں کے جواب میں یہ جملہ ادا کیا تھا۔ "

اس کی بات سن کر اب اخیار بھی باقی لوگوں کے ساتھ ہنسا تھا۔ زونائیشہ کو وہاں موجود سب لوگوں کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

آپ کا رشتہ میرے ساتھ ہی طے ہوا ہے۔" وہ گھٹنے کے بل بیٹھے ہوئے مسکرا کر بولا تھا۔ "

اصل سکتا زونائیشہ کو اب ہوا تھا۔ اس کا چہرہ انتہائی شاکڈ تھا۔ اتنا تو کوئی بھی اس کی لاعلمی پر شاکڈ نہیں جتنی وہ خود اپنی لاعلمی پر شاکڈ ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی شاکڈ کھڑی رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔ جو سب نے دیکھی تھی۔ وہ نمی ۔ خوشی کے باعث تھی۔ مگر پھر اس کے ذہین میں وہ فون کال ابھری تھی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ مدھم ہوئی تھی

راحت جاں کون ہے؟" انتہائی مدھم آواز میں اس کی زبان سے یہ الفاظ پھسلے تھے۔ "

اب کی بار بھی سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔

دادی ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔ "

آپ نے میرا سکھ چین چرایا۔" اب اس کے لہجے میں شکایت تھی۔ الفاظ ادا کرتے ہوئے وہ خوُد نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے پودے " کا نام لے رہی تھی یا اپنے اس سکھ چین کا جو واقعی سامنے بیٹھے شخص نے اجازت لیے بغیر چرالیا تھا۔

جبکہ سکھ چین کے پودے نے یہ جملہ سن کر ناراض نظروں کو مسکراتی نظروں میں بدلا تھا۔ جب کہ گملے والا سکھ چین کنفیوزڈ ہوا تھا۔

آپ نے بھی تو میرا سکھ چین چرایا تھا۔" اخیار نے بھی اسی انداز میں شکایت کی تھی۔ "

میں پودے کی بات کر رہی ہوں۔" سب کی موجودگی میں شرمندگی سے بچنے کے لیے زونائیشہ نے وضاحت کی تھی۔ "

"لیکن میں اپنی بات کر رہا تھا۔ "

زونائیشہ بھابی گملا تھام لیں۔ بھائی پچھلے بیس منٹ سے ایسے ہی بیٹھے ہیں۔" باران کو اپنے بھائی پر ترس آیا تھا۔ اخیار نے گملا تھام لینے " والی سفارش پر اسے مشکور نظروں سے دیکھا تھا۔

وہ دنیا کا پہلا مرد تھا جو ایک لڑکی کو پھولوں کا گلدستہ دینے کے بجائے پودے کا گملا دے کر پرپوز کر رہا تھا۔

اسے رکھ دیں یہیں۔ اور صبح اسے پہلے والے سکھ چین کے پودے کے ساتھ لگا دیجئیے گا۔ اور اب آپ کھڑے ہوسکتے ہیں۔" گملا " رکھنے کا سن کر ایک لمحے کے لیے اخیار کا چہرہ تاریک ہوا تھا اور دوسرے ہی اس کے چہرہ چمک اٹھا تھا اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

وہ دنیا کی پہلی لڑکی تھی جس نے اپنے سامنے گھٹنا موڑ کر بیٹھے شخص کے ہاتھ میں تھاما پودے کا گملا قبول نہیں کیا تھا لیکن اس کا پروپوزل قبول کر لیا تھا۔

Urdu Novels Ghar

سب گھر والوں کے چہروں پر مسکراہٹیں اور خوشیاں تھیں۔انشا بھی اپنی دوست کے لیے بے حد خوش تھی۔اور سکھ چین کا پودا بھی اپنی دوست کی خوشی میں جھوم رہا تھا۔

اس کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے اخیار نے سر گوشی کی تھی۔

" دادی کہتی ہے محبت ریاضی نہیں ہوتی جس میں حساب کتاب کیا جائے کہ محبت کب ہوئی، کیسے ہوئی، کیوں ہوئی اور کتنی ہوئی۔ اس لیے میں بھی آپ کو ایسا کچھ بتانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔آپ سے محبت ہے اور میرے لیے یہ بات آپ کو بتانے سے زیادہ اس بات کا احساس دلانا ضروری ہے۔"

زونائیشہ نے مسکرا کر اس کی سر گوشی سنی تھی۔اس نے جو کچھ کھویا تھا وہ نا قابل تلافی تھا مگر اب جو مل رہا تھا وہ آخری سانس تک کے لیے کافی تھا۔

سب لوگ ہنسی مذاق کر رہے تھے۔وہ بھی سب میں شامل تھی۔اچانک اس کی نظر سکھ چین کے پودے پر پڑی تھی۔اس کا تنا اور پتے ہرے ہو چکے تھے۔زونائیشہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔اس کا سکھ چین اس گھر میں تھا۔اس کے سکھ چین کے پودے نے بھی یہی کھلنا تھا۔ان دونوں کی قسمت میں مرجھا کر یوں ہی کھلنا لکھا تھا۔

سکھ چین کے پودے نے اسے مسکراتا دیکھ کر بے حد خوشی محسوس کی تھی۔اور اسے ایک حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا تھا۔

" میں اکیلا بالکل ٹھیک ہوں۔میرے ساتھ کسی دوسرے کو لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" گملے والے سکھ چین کے پودے کے کان کھڑے ہوئے تھے۔زونائیشہ نے ہمیشہ کی طرح اس کی بات نہیں سنی تھی مگر پہلی بار کسی اور نے سن لی تھی اور جواب بھی آیا تھا۔

" تم زمین میں پوری آزادی سے اگنے والے پودے مجھ جیسے گملوں کی تنگ زمین میں اگنے والے پودوں کا دکھ کیسے جان سکتے ہو۔"

سکھ چین کے پودے نے مدھم آواز میں کی جانے والی شکایت بڑی مشکل سے سنی تھی۔

" مجھے لگتا ہے تم وہی ہو جسے کل میرے پہلو میں لگا دیا جانا ہے۔چلو اچھا ہے تم بولنے کے ساتھ ساتھ سن بھی سکتے ہو۔ورنہ میں ان انسانوں سے عاجز آ چکا ہوں۔لیکن کیا کر سکتے ہیں ہم۔ہمیں یہ انسان عزیز بھی تو بہت ہیں۔ان کے زندہ رہنے کے لیے ہمارا زندہ رہنا ضروری ہے۔اور مجھے تو پھر انسانوں سے دوستیاں کرنے کی عادت ہے۔" زمین والا سکھ چین اونچی آواز میں بولا تھا جسے گملے والے

سکھ چین نے آسانی سے سنا تھا۔

میں بھی ان انسانوں سے عاجز ہوں یار۔ انہیں بولنے کی بے حد بیماری ہے۔ لیکن مجال ہے جو ہم جیسوں کی سن لیں۔ اپنی کہانی اپنے دکھ سناتے ہیں۔ ہماری ایک نہیں سنتے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔" گملے والے سکھ چین کی آواز ابھی بھی مدھم تھی۔ اور اس کی وجہ اس کا گملے میں ہونا تھا۔

وہ دونوں سکھ چین کے پودے انسانوں کی برائیاں کرنے میں لگے تھے۔ اب دن رات ان پودوں نے بولنا تھا۔ ایک دوسرے سے انسانوں کی برائیاں کرنی تھیں۔ بہت اچھا تھا جو انسان ان کی باتیں نہیں سنتے تھے۔ کیوں کہ اصل میں وہ انسانوں سے کہیں زیادہ بولتے تھے۔ جتنی ان کی شاخیں اور پتے پڑھتے تھے اتنی ہی ان دونوں کی باتیں پڑھنی تھی۔ کیوں کہ ان کے مرجھانے کا زمانہ بیت چکا تھا۔ اب انہیں صرف کھلنا تھا۔

****